گھر کا ماحول

پرسکون اور خوشگوار
کیسے بنائیں؟

مؤلف: ندیم ایاز

مکتبہ دارالرحیل

تالیف: گھر کا ماحول پر سکون اور خوشگوار کیسے بنائیں

مولف: ندیم ایاز

سال اشاعت: 2021

قیمت: 200 روپیہ

فہرست

مقدمہ 3
(1) رشتوں کی بنیاد کیاہونی چاہیے؟ 5
(2) جنتی مردوں اور جنتی عورتوں کی صفات........................ 20
(3) حقوقِ نسواں! عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید 34
(4) بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق 109
(5) میاں بیوی کے مشترکہ حقوق.. 114
(6) شادیاں ناکام کیوں ہوتیں ہیں؟.. 127
(7) گھرکا ماحول پرسکون اور خوشگوار کیسے بنائیں........... 139

مقدمہ

الحمدللہ اس کتاب کی تکمیل ہوئی، یہ وقت کی انتہائی اہم ضرورت ہے، بہت سی وجوہات کی وجہ سے خاندانی نظام مسلسل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا جارہا ہے۔ گھر جو ایک سکون کی جگہ ہے پریشانیوں اور دکھ کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے الا ماشاءاللہ۔

شادی کو قائم رکھنے کے لئے اصل اسباب کو چھوڑ کر پیروں فقیروں کے آستانوں پر جانا، تعویذ گنڈوں اور جادو کا سہارا لینا، طلاق اور خلع کے بڑھتے ہوئے کیسز، بچوں کی زندگی کا برباد ہونا، گھر سے بھاگ کے شادی کرنا اور پھر جیل یا دارالامان پہنچنا یا پھر موت کا ہی شکار ہوجانا، تشدد کے واقعات، خواتین کا بھی بڑی تیزی سے نشے کا عادی ہوتے جانا اور خودکشی کی بڑھتی شرح، ان میں سے ہر ایک مسئلہ اہل دل کے لئے باعث دردوغم ہے۔

مسائل کی بنیادی وجہ دل کے سکون کا نہ ہونا ہے اور دل کے سکون کا نہ ہونا اللہ کی یاد سے غافل ہونے اور دین سے دوری کی وجہ سے ہے اور خصوصا گھر کے اندر سکون کا نہ ہونا دل کے سکون کو غارت کردیتا ہے۔ انسان اگر گھر کے اندر خوش ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے ہرا نہیں سکتی اور گھر کا شکست وریخت کا شکار ہوجانا باہر کی زندگی کو شکست اور ناکامیوں سے دوچار کردیتی ہے۔ تو ضروری ہے کہ ہم دو چیزوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں دل کا سکون اور گھر کا سکون۔

اسی سلسلے میں ان اہم مضامین کو جمع کرکے یہ ایک بہترین کاوش ہے اور یقینا جو بھی اس کو تسلی، سکون اور توجہ سے پڑھے گا انکی زندگی میں ضرور مثبت تبدیلی آئیگی ان شاءاللہ۔ کیوں کہ قرآن وحدیث میں دلوں کی شفاء ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب میرے لئے اور ان تمام علماء کے
لئے صدقہ جاریہ بن جائے جنھوں نے یہ قیمتی مضامین لکھے۔ آمین
میری مزید تالیفات سے اگر آپ استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو
http://www.peaceofmindna.com/ویب سائٹ وزٹ کریں۔اور
http://www.facebook.com/peaceofmind.na پیج کو لائک کریں
اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں کو سکون سے بھر دیں آمین۔

(1) رشتوں کی بنیاد کیاہونی چاہیے؟

فضیلۃ الشیخ حافظ عبد الستار حماد حفظہ اللہ

الحمدللہ رب العالمین و الصلاۃ علی سید المرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین و بعد!

اللہ تعالی نے اس عالم رنگ وبو میں انسان کو خود مختار بنا کر پیدا کیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے سے تعلقات رکھنے پر مجبور ہے کیونکہ اس پر دنیا کا نظام قائم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا

الزخرف-32

''ہم نے کچھ لوگوں کو دوسروں پر فوقیت بھی دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے خدمت بھی لے سکیں''۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امیر کو غریب کی ضرورت ہے، وہ اس غریب کا محتاج ہے کہ اس کا کام کاج کرے اور غریب کو امیر کی ضرورت ہے کہ وہ اس کا کام کاج کرکے اپنے بچوں کے لیے روزی کمائے، اس طرح شاگرد کو استاد کی اور استاد کو شاگرد کی ضرورت ہوتی ہے، الغرض اختلافِ صفات کے باوجود ہر انسان دوسرے کا محتاج اور اس سے تعلقات رکھنے پر مجبور ہے، لیکن اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمارے تعلقات کی بنیاد اگر اللہ کی محبت، تقویٰ اور اخلاص ہے تو ایسے تعلقات آخرت میں بھی برقرار رہیں گے اور اگر ان تعلقات کی بنیاد دنیا اور اس کے مفادات ہیں تو قیامت کے دن اس قسم کے تعلقات دشمنی میں بدل جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ

الزخرف-67

” اس دن پرہیزگاروں کے علاوہ سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے“۔

اس کامطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن صرف وہی تعلقات برقرار رہیں گے جن کی بنیاد تقویٰ پر ہوگی اور جنہوں نے صرف اللہ کی خاطر اور اللہ کے دین کے لیے ایک دوسرے سے دوستی کی ہوگی، اس کے علاوہ باقی ہر قسم کے تعلقات اور تمام قسم کی دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی،قیامت کے دن اس قسم کے رشتے اور تعلقات نہ صرف ختم ہوجائیں گے بلکہ سب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور سب ایک دوسرے پر یہ الزام دھریں گے کہ فلاں دوست میری گمراہی کاباعث بنا اور فلاں رشتہ دار اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبا، اس کے برعکس جس رشتے کی بنیاد تقویٰ اور اخلاص پر ہوگی دین کے رشتے کوتمام رشتوں سے مقدم سمجھاہوگاایسے لوگوں کے متعلق اعلان ہوگا:

يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ

الزخرف-68

” آج قیامت کے دن تمہیں کسی پریشانی کاخوف نہیں رکھناچاہیے،اور نہ آج تمہیں اپنی سابقہ زندگی پر کچھ ملال ہوگا“۔

بلکہ رسول اللہ ﷺ کاارشاد گرامی ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گاجو اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں

چنانچہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آواز دے گا”میرے جاہ وجلال اور عظمت و تعظیم کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ میں آج انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا اس دن میرے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا“[2]۔

اس مبارک عمل کی اللہ کے ہاں بہت فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
میری جلالت وعزت کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے
نورانی منبر ہیں، جن پر انبیاء اور شہداء رشک کریں گے[3]
بہرحال جن لوگوں کے تعلقات کی بنیاد تقویٰ اور اخلاص پر ہو گی قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا:

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ

الزخرف-70

"تم خود اور تمہاری طرح کے دوسرے ساتھی جنت میں داخل
ہو جاؤ، تمہیں وہاں خوش رکھا جائے گا"۔

جس طرح ہمارے تعلقات کی بنیاد للٰہیت، تقویٰ ہونا چاہیے اسی طرح ہمارے
رشتوں کی اساس بھی دینداری کو ہونا چاہیے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان
ہے: "عورت سے چار چیزوں کی بنیاد پر نکاح کیا جاتا ہے: (1) اس کے مال
واسباب، (2) اس کے حسب ونسب، (3) اس کے حسن وجمال اور اس کی (4)
دینداری، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں، تم دینداری کی بنیاد پہ نکاح کرکے کامیابی
حاصل کرو"[4]۔

اس حدیث کی روشنی میں جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پیروکار صحابہ کرام
رضوان اللہ علیھم اجمعین کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے نکاح کے لیے اسی کو بنیاد
بنایا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے کچھ عرصہ
پہلے کا واقعہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے والد جناب مالک رضی اللہ
عنہ فوت ہو گئے، ان کی وفات کے بعد سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنھا کو سیدنا
ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، پیغامِ نکاح
بھیجا، سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنھا نے جواب دیا: "تیرے جیسے شخص کا پیغامِ نکاح

رد نہیں کیا جاتا، لیکن تو کافر ہے اور میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکی ہوں
، میرے لیے تجھ سے نکاح جائز نہیں ہے، اگر تو مسلمان ہو جائے تو یہی میرا حق مہر
ہوگا اور میں تجھ سے اس کے علاوہ بطور مہر کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گی"
چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام ہی سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا حق مہر
قرار پایا[5]۔
اس نکاح اور حق مہر کے متعلق جناب انس رضی اللہ عنہ
کے شاگرد رشید سیدنا ثابت البنانی رحمہ اللہ بایں الفاظ تبصرہ کرتے ہیں:"میں
نے کسی دوسری عورت کے متعلق نہیں سنا کہ اس کا مہر سیدہ ام سلیم رضی
اللہ عنہا کے مہر اسلام سے بہتر ہو، سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان
کے ساتھ زندگی کے خوشگوار لمحات بسر کیے اور ان سے ان کے بچے بھی
پیدا ہوئے۔]6[
چونکہ یہ نکاح رنگ و نسل اور برادری و خاندان سے بالاتر ہو کر صرف اسلام
اور دینداری کی بنیاد پر ہوا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو طلحہ کو بہت
خیر و برکت سے نوازا، سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا ابو طلحہ رضی
اللہ عنہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں کھجوروں
کے باغات سے نوازا تھا، ان کا ایک باغ جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، رسول اللہ
ﷺ وہاں تشریف لے جاتے، وہاں تازہ کھجوریں تناول فرماتے، میٹھے چشموں کا ٹھنڈا
پانی نوش کرتے اور درختوں کے گھنے سایہ میں محو استراحت ہوتے تھے[7]۔
اس سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ پیش خدمت ہے کہ رسول
اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سے نہ صرف انتہائی محبت کرتے تھے بلکہ ان کی
ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے چنانچہ سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ ایک
انصاری صحابی تھے جو مالدار تھے نہ خوبصورت، ان کا کسی بڑے قبیلے سے تعلق تھا نہ

ہی کسی منصب پر فائز تھے، ان کی خوبی صرف یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے اور رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے، ایک دن رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ان سے فرمایا: "جلیبیب! تم شادی نہیں کروگے؟۔ سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھ جیسے شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کون کرے گا؟ میرا حسن وجمال، مال ودولت اور کوئی جاہ ومنصب نہیں، بلکہ ایک فقیر بے نوا ہوں، لیکن رسول اللہ ﷺ کی نظر اس کے دنیاوی معیار پر نہیں بلکہ اس کی دینداری اور تقویٰ شعاری پر تھی، آپ نے اس کی مایوسی کو خوشی میں تبدیل کرتے ہوئے فرمایا: جلیبیب! تم فکر نہ کرو، تمہاری شادی میں خود کروں گا، تم اللہ کے نزدیک بے قیمت نہیں ہو، تمہاری وہاں بڑی قدر ومنزلت ہے"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ان سے فرمایا: جلیبیب! تم فلاں انصاری کے گھر جاؤ، اسے میرا اسلام کہو اور میرا پیغام دو کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کردے، سیدنا جلیبیب خوشی خوشی اس انصاری کے گھر پہنچ جاتے ہیں، دروازے پہ دستک دی، اہل خانہ پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ نے جواباعرض کیا: رسول اللہ ﷺ نے آپ لوگوں کو سلام بھیجا ہے، یہ سن کر انصاری صحابی خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سلام بھیجا ہے، یہ تو میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہے، پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اس خوشی میں سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے جاتے ہیں، سیدنا جلیبیب نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا: "رسول اللہ ﷺ تمہیں سلام کے ساتھ یہ پیغام بھی بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو"، صاحبِ خانہ نے جب یہ بات سنی تو سناٹے میں آگئے، کیا یہ شخص میرا داماد بنے گا؟ اس کا نہ مال ودولت نہ حسن وجمال، نہ قد کاٹھ، نہ حسب ونسب اور نہ منصب اور کاروبار! کہنے لگا میں اپنے

گھر والوں سے مشورہ کر کے تمہیں جواب دیتا ہوں، انہوں نے اپنی اہلیہ کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام سنایا کہ آپ فرماتے ہیں کہ "اپنی بیٹی کی شادی جلیبیب سے کر دو"۔

یہ حسنِ اتفاق تھا کہ ساتھ والے کمرے میں پسِ پردہ ان کی دخترِ نیک اختر اپنے والدین کی گفتگو سن رہی تھی، انصاری کی اہلیہ نے کہا ہم اپنی بیٹی کی شادی جلیبیب سے کیسے کر دیں جبکہ وہ خوبصورت بھی نہیں، مال و دولت کی ریل پیل بھی نہیں، بڑا خاندان بھی نہیں، اور کسی منصب پر فائز بھی نہیں، ہم نے فلاں فلاں خاندان کی طرف سے آنے والوں کو مسترد کر دیا ہے، میاں بیوی دونوں اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے، بیٹی بھی پردے کے پیچھے کھڑی گفتگو سن رہی تھی اور اس ماجرے کا مشاہدہ کر رہی تھی جب سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو لڑکی نے معاملے کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اپنے والدین سے مخاطب ہو کر آہستہ کہا:" کیا تم رسول اللہ ﷺ کا حکم ٹالنے کے لئے سوچ و بچار کر رہے ہو، آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیں، وہ جہاں چاہیں اپنی مرضی سے میری شادی کر دیں، وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کریں گے"۔

بیٹی کے پاکیزہ جذبات سن کر والدین نے بھی سر جھکا دیا، کچھ دیر پہلے تک ان کے ذہن میں نہ تھا کہ وہ اس رشتے کو قبول نہ کرنے کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نظر انداز کرنے والے بن جائیں گے، وہ اپنی بیٹی کی فہم و فراست اور اس کے خوبصورت فیصلے پر راضی ہو گئے۔

سیدنا جلیبیب رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا کر واپس چلے گئے، کچھ دیر بعد ذہین و فطین بچی کا والد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے آپ کا پیغام ملا، آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میں میرے اہل خانہ حتی کہ میری بیٹی بھی آپ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہیں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو سیدنا جلیبیب رضی اللہ عنہ کے ذریعے بچی کے پاکیزہ جذبات اور سمع واطاعت پر مبنی جواب کا علم ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے اسے ایک عظیم تحفہ دیا، اپنے مبارک ہاتھوں کو بارگاہ الٰہی میں اٹھایا اور بایں الفاظ دعا فرمائی: "اے اللہ! ان دونوں پر خیر و بھلائی کے دروازے کھول دے، اور انہیں زندگی میں مشقت و پریشانی سے دور کر دے"۔ اس بچی کی شادی سیدنا جلیبیب سے ہو گئی، مدینہ طیبہ میں ایک اور گھر کا اضافہ ہوا، وہ جلیبیب جو کبھی مفلس ونادار تھے، رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں ان پر رزق کے دروازے کھل گئے، یہ گھرانہ بڑا سعادت مند اور بابرکت ثابت ہوا، اس گھرانے کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا صلہ اس صورت میں ملا، اہل مدینہ اس کا اظہار ان الفاظ میں کرتے تھے: "انصاری گھرانوں کی عورتوں میں سب سے زیادہ خرچ کرنے والا گھرانہ اسی لڑکی کا تھا"[8]۔

قارئین کرام! رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے اس لڑکی کو دنیا میں بھی بھلائی نصیب ہوئی، اور آپ کی اطاعت کے نتیجہ میں جو کچھ آخرت میں ملنے والا ہے، اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں، لیکن افسوس کہ ہم رشتوں ناطوں کے سلسلہ میں مال ودولت، حسن وجمال، حسب ونسب اور خاندان وبرادری کے بتوں کو پوج رہے ہیں، ہماری بچیاں اس جعلی معیار کے انتظار میں بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ دیتی ہیں، ہمیں ان بتوں کو پاش پاش کرنا ہوگا، اور خالص دینداری کے ماحول کو اپنے رشتوں کا معیار قرار دینا ہوگا۔

آج بھی کچھ دیندار گھرانے اس معیار کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں، یہ واقعہ میرے ایک قریبی دوست کا رقم کردہ ہے: "میری بہن کے لیے ایک اچھا رشتہ آیا، لڑکا برطانیہ میں ملازمت کرتا تھا، تعلیم یافتہ، خوبصورت برسرِ روزگار تھا، پاکستان میں رہنے

والے اس کے والدین اپنے بیٹے کے لیے بہتر رشتہ کی خاطر بھاگ دوڑ
کررہے تھے، تلاش کرتے کرتے نظرِ انتخاب ہمارے گھرانے پر پڑی چنانچہ
یہ رشتہ منظور کرلیا گیا، برطانیہ میں ملازمت کی بنا پر لڑکا ایک محدود
وقت کے لیے پاکستان آسکتا تھا، اس لیے یہ طے پایا کہ وہ نکاح سے ایک ہفتہ قبل
پاکستان آئے گا اور نکاح کے چند روز بعد اپنے اہل خانہ کے ساتھ واپس برطانیہ
چلا جائے گا، والد محترم نے احتیاطاً یہ شرط رکھ دی تھی کہ لڑکے سے ملاقات
پر اگر کوئی بے اطمینانی والی بات سامنے آئی تو عین موقع پر بھی معذرت کی جا سکتی
ہے، اس شرط کو فریقِ ثانی نے بخوشی قبول کرلیا، آخر کار نکاح سے ایک ہفتہ
قبل حسبِ پروگرام لڑکا برطانیہ سے پاکستان آیا اور والد محترم سے ملاقات ہوئی،
حسنِ صورت، اندازِ گفتگو اور آدابِ معاشرت کے اعتبار سے وہ ہمارے تصورات
سے بھی بالاتر تھا، اس پہلو سے اطمینان حاصل ہوا لیکن چادر اور چار دیواری کے
لحاظ سے آزاد خیالی محسوس ہوئی، ہمارے ہاں دینی ماحول کی وجہ سے والد محترم کو بہت
تشویش لاحق ہوئی، رشتہ داروں نے اطمینان دلایا کہ رشتہ ہونے کے بعد اس کمی کی تلافی
ہوجائے گی اس بنا پر ایک پڑھے لکھے برسرِ روزگار رشتے کو جواب
دینا مناسب نہیں ہے، لیکن ہمارے والد محترم دینی معاملات میں بڑے
حساس تھے، اس لیے ان کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا فرمانے لگے کہ
برطانیہ کے نیم عریاں ماحول میں اس کی آزاد خیالی کے بڑھنے کا اندیشہ
ہے، آخر کار انہوں نے اپنی دینی غیرت کی وجہ سے نکاح سے ایک دن قبل اس
رشتہ کو رد کردیا اور انہیں صاف صاف جواب دے دیا، اگرچہ نکاح کی تیاریاں
اپنے آخری مراحل میں پہنچ چکی تھیں، کھانے وغیرہ کے انتظامات بھی
مکمل ہوچکے تھے لیکن والد محترم کی حمیتِ ایمانی نے ہر قسم کی قربانی دے کر اسے
برداشت کیا، شاید اس کی برکت تھی کہ اس قربانی کے چھ ماہ بعد مدینہ منورہ

سے ہمارے خاندان کا ایک رشتہ آیا جو قرآن کریم کا حافظ اور عالم دین
تھا، والد محترم نے استخارہ کرنے کے بعد وہ منظور کرلیا اس طرح ہماری ہمشیرہ کا ان
سے نکاح ہو گیا، اب وہ صاحبِ اولاد اور مدینہ طیبہ میں اقامت گزین
ہے"۔

رشتوں کے متعلق ہمارا یہی رجحان ہے کہ دولت، خاندان اور برادری کے چکر سے آزاد
ہو کر دین اور تقویٰ کو پیش نظر رکھا جائے، اس سلسلہ میں حضرات
صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثالیں پیش خدمت ہیں، عرب
معاشرہ میں جب کوئی غلام آزاد ہو جاتا تو اسے اور اس کی اولاد کو آزاد افراد سے
فروتر خیال کیا جاتا تھا، سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی سیدنا
زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ام یمن رضی اللہ عنھا پہلے
غلام تھے، پھر انہیں آزادی ملی تھی، اس کے علاوہ سیدنا اسامہ رنگ کے بھی کچھ
سانولے تھے، رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان
سے نکاح کرنے کے متعلق مشورہ دیا، چونکہ ان کے خاوند پر غلامی کا ٹھپہ لگا ہوا تھا، اس
لیے ابتدائی طور پر انہیں یہ رشتہ اچھا نہ لگا اور اپنی ناگواری
کا اظہار کرتے ہوئے کہا، اسامہ، اسامہ اس سے میں نکاح کرلوں!، اس پر
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت
تیرے لیے بہتر ہے" [9]۔

آخر کار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے سیدنا اسامہ
رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا، وہ خود اس نکاح کے متعلق فرماتی ہیں: "اللہ تعالیٰ
نے اس نکاح میں بھلائی اور برکت ڈال دی حتیٰ کہ مجھ پر رشک کیا جانے
لگا" [10]۔

سیدنا اسامہ بہت ہی ملنسار اور حسن خلق کے حامل تھے، اس لیے ذات پات کے اعتبار سے ہم پلہ نہ ہونے کے باوجود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنھا ان پر فخر کیا کرتی تھیں کہ خاوند ہو تو ایسا ہو۔

اسی طرح سیدنا سالم رضی اللہ عنہ ایک انصار عورت کے آزاد کردہ غلام تھے، سیدنا حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، انہوں نے اپنی حقیقی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔[11]

اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے "دین میں ہم پلہ ہونا"[12]۔

اس طرح کی متعدد مثالیں کتب حدیث میں مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے برادری، حسب ونسب، مال ودولت، حسن وجمال اور دنیاداری کے بتوں کو توڑ کر رشتوں کی بنیاد صرف تقویٰ اور دینداری کو قرار دیا، کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ متقی انسان کو اگر بیوی سے محبت ہوگی تو اس کی عزت کرے گا اور اگر نفرت ہوگی تو اس پر ظلم کرنے سے باز رہے گا۔

اب ہم نکاح کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیتے ہیں کہ جو لوگ دین اور تقویٰ کے معیار کو نظر انداز کر کے محض دنیاوی مفادات اور برادری کا رکھ رکھاؤ پیش نظر رکھتے ہیں، ایسے رشتوں کا کیا انجام ہوتا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جب تمہارے پاس کسی ایسے شخص کا پیغام نکاح آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے اپنی لڑکی کا رشتہ دے دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا"[13]۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رشتہ کرتے وقت تقویٰ، اخلاق وکردار اور دینی اقدار کو پیش نظر رکھنا چاہیے، اگر دین کو نظر انداز کر کے حسب ونسب

،خاندان، برادری، حسن وجمال اور مال ودولت کو معیار بنایا گیا تو یہ کئی ایک فتنوں اور آزمائشوں کا پیش خیمہ ہوگا، کئی لڑکیاں بے نکاح رہ جائیں گی جو ان کے لیے مصیبت اور فتنہ کا باعث ہوگا، نیز دینی لحاظ سے نیک نہ ہونے کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوں گے پھر یہی مال وجمال اور خاندانی تفوق گلے کا طوق اور پاؤں کی بیڑی بن جائے گا، ہم آئے دن اس طرح کے بیسیوں واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو خاندانوں کے ٹکراؤ اور گھروں کی بے آبادی کا باعث ہوتے ہیں۔

ہم ذیل میں صرف ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو دیدۂ عبرت کے لیے سرمۂ بصیرت کا باعث ہے، اس کی روشنی میں ہم نے اپنے کردار کا بس جائزہ لینا ہے، واللہ المستعان۔

برادری کا معیار یہ تھا کہ لڑکا خوبرو، ملنسار، خوش اخلاق، تعلیم یافتہ، برسرروزگار ہونے کے ساتھ ساتھ برادری کے اعتبار سے ہم پلہ اور اس کا خاندان بھی مختصر افراد پر مشتمل ہو، تلاش بسیار کے باوجود ہمیں مناسب رشتہ نہیں مل رہا تھا، اس بناء پر والدین انتہائی پریشان تھے، اتفاقاً ایک دن ہمیں کسی عورت کے ذریعے خانیوال میں ایک رشتہ کا پتہ چلا اس عورت نے بتایا کہ لڑکے کے والدین فوت ہو چکے ہیں، اس کی خالہ نے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اٹھائی تھی، تعلیم کے بعد اب وہ ایک پرائیوٹ کمپنی میں بطور منیجر جاب کرتا ہے، تنخواہ تقریباً ایک لاکھ ماہانہ ہے۔ کمپنی نے اسے گاڑی بھی دے رکھی ہے، اس کا خانیوال میں اپنا مکان ہے، کافی سوچ وبچار کے بعد میں اور میرے والدین اس عورت کے ہمراہ خانیوال گئے، لڑکے سے ملاقات ہوئی، وہ قبول صورت، خوش گفتار اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتا تھا، اس کی کوٹھی نما مکان میں زندگی کی تمام سہولیات موجود تھیں، ہم نے بات چیت کے ذریعے اس کے اخلاق وکردار کو معلوم کرنے کی کوشش کی تو وہ کچھ آزاد خیال تھا، ہم نے گھر آکر باہمی مشورہ کیا،

اس کی آزاد خیالی کو نظر انداز کرکے اسے رشتے کے لیے پسند کرلیا، عورت کے بار بار اصرار کرنے پر ہم نے جلدی شادی کی تاریخ طے کردی، شادی کے موقع اس کے ہمراہ چند افراد اور کچھ خواتین تھیں، اس نے پندرہ تولے طلائی زیورات بطور حق مہر ادا کیے، ہم نے بھی اپنی بہن کو ڈھیروں جہیز کے ساتھ دس تولے طلائی زیور پہنائے، اس کے علاوہ ایک نئی گاڑی لڑکے کو بطور گفٹ دی۔

شادی کے اگلے دن خانیوال ایک ہوٹل میں ولیمے کا اہتمام کیا گیا، ہماری بہن بھی اس انتخاب پر ہر طرح سے مطمئن تھی، ہم بھی خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک اچھے رشتے کا بندوبست کردیا ہے، شادی کے دو ہفتے بعد وہ اپنی گاڑی پر ہماری بہن کو گھر چھوڑنے آیا، اس نے بتایا کہ میں کمپنی کے ایک ضروری کام کے لیے کراچی جارہا ہوں، وہاں مجھے ایک دو ہفتے لگ جائیں گے، میں کراچی سے واپسی پر اسے لے جاؤں گا، دو ہفتے بعد بعد جب وہ نہ آیا تو ہمیں فکر لاحق ہوئی، اسے فون کیا تو اس کا موبائل بند تھا، خانیوال گئے تو ہمیں وہاں سے پتہ چلا کہ دو ماہ قبل ایک شخص نے یہ مکان کرایہ پر لیا تھا، اب تین ہفتے قبل وہ اپنا سامان وغیرہ لے کر یہاں سے چلا گیا ہے، ہماری بہن کا سامان جہیز اور اس کے زیورات بھی ساتھ لے گیا، ہم نے اسے بہت تلاش کیا لیکن اس کا کچھ اتا پتا نہ چل سکا، اب ہم اس سلسلہ میں بہت پریشان ہیں، ہماری بہن کا مستقبل بھی داؤ پر لگ گیا ہے، ہمیں کچھ نہیں سوجھتا کہ اب کیا کیا جائے، وہ اپنی داستانِ غم سناتے ہوئے بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ ہماری بہن کی عزت بھی داغدار کر گیا، بہر حال اس واقعہ میں دنیا کی دولت اور اس کی زیب وزینت کو معیار بنانے والوں کے لیے بہت سامانِ عبرت ہے، یہ دولت تو ڈھلتی چھاؤں ہے بیٹیوں کے رشتہ کے لیے اسے قطعاً معیار نہ بنایا جائے۔ اور نہ ہی تقویٰ اور دینداری کو نظر انداز کرکے صرف خاندانی اور برادری کی بنیاد پر رشتے

کیے جائیں، اللہ کے نزدیک قومیت اور خاندان صرف تعارف وپہچان کا ذریعہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

الحجرات-13

" اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری ذاتیں اور قبیلے اس لیے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابل عزت وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔

موجودہ دور میں ذات وقوم، رنگ ونسل کو معبود کی حیثیت دے کر ان کی پوجا کی جارہی ہے، ان کی بنیاد پر پوری انسانی برادری کو کئی گروہوں میں تقسیم کردیا گیا ہے جو آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے رہتے ہیں، حالانکہ سب انسان سیدنا آدم وحوا کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت وشرف کا معیار صرف تقویٰ ہے یعنی جتنا کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کی معصیت سے دور رہنے والا ہوگا اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک معزز ومحترم ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس مضمون کو بایں الفاظ بیان کیا تھا: "کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر، کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں، فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے[14]۔

لیکن ہم ذات وقومیت اور رنگ ونسل کی بنیاد پر خود کو اعلیٰ اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے ہیں، اور انہیں باہمی تفاخر وتنافر کا ذریعہ بنالیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کو دور کردیا ہے اب لوگ صاحبِ ایمان متقی ہیں

یا فاجر و بد بخت، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے تھے، لوگوں کو قومی برتری ختم کر دینی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے والے تو جہنم کے کوئلے بن چکے ہیں، یا پھر یہ لوگ اللہ کے ہاں گندگی کے سیاہ کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے[15]۔

ان احادیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے رشتے ناطے، اسلام اور تقویٰ کو نظر انداز کر کے صرف قوم اور برادری کی بنیاد پر نہ کریں اور نہ ہی اپنی معصوم بیٹیوں کو مال و دولت کی بھینٹ چڑھائیں، قیامت کے دن ان کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

واللہ المستعان

---

[2]صحیح مسلم، کتاب البر والصله

[3]سنن ترمذی، کتاب الزهد

[4]صحیح بخاری، کتاب النکاح

[5]سنن نسائی: کتاب النکاح

[6]سنن نسائی: کتاب النکاح

[7]صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ

[8]مسند امام احمد: جلد4صفحه422

[9]سنن ابن ماجه: کتاب النکاح

[10]سنن ابن ماجه: کتاب النکاح

[11]صحیح بخاری: کتاب النکاح

[12]صحیح بخاری: کتاب النکاح،باب نمبر16

[13]سنن ترمذی: کتاب النکاح

[14]مسند امام احمد: جلد5صفحه،422

[15]سنن ابی داؤد: کتاب الادب

(2) جنتی مردوں اور جنتی عورتوں کی صفات

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں تمہارے جنتی مردوں کی بابت نہ بتلاؤں؟ نبی جنتی ہے، صدیق جنتی ہے، شہید جنتی ہے، (معصوم) بچہ جنتی ہے، وہ شخص جنتی ہے جو اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت کے لیے شہر کے آخری کنارے پر محض اللہ کی رضا کے لیے جاتا ہے۔''

''وَنِسَاءُكُمْ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْوَدُودُ الْوَلُودُ الْعَؤُودُ عَلَى زَوْجِهَا، الَّتِي إِذَا غَضِبَ جَاءَتْ حَتَّى تَضَعَ يَدَهَا فِي يَدِ زَوْجِهَا وَتَقُولُ: لَا أَذُوقُ غَمْضًا حَتَّى تَرْضَى''

''اور تمھاری جنتی عورتوں میں سے ایک وہ عورت جنتی ہے جو (خاوند سے) بہت محبت کرنے والی، بہت بچے پیدا کرنے والی اور اپنے خاوند سے گہرا تعلق رکھنے والی ہو، خاوند جب اس سے ناراض ہو جائے تو وہ (اس سے بے اعتنائی کرنے یا اکڑنے کے بجائے) اس کے پاس جاتی ہے، حتی کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس وقت تک پلک نہیں جھپکاؤں گی جب تک تو راضی نہیں ہو جائے گا۔''[1]

آج کل کی عورتوں میں مذکورہ صفات کی عورتیں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں:

(1) اس حدیث کی رُو سے عورت کے اندر مرد سے بے اعتنائی اور اکڑنے کا جذبہ نہایت خطرناک ہے، اس کے برعکس خاوند کی ناراضی دیکھ کر اس کو منانے اور راضی کرنے کا جذبہ عورت کو جنت میں لے جانے والا ہے، بشرطیکہ دیگر احکام و فرائض کی پابندی کا بھی اہتمام ہو۔ (2) آج کل کی عورتیں زیادہ بچے پیدا کرنے سے بھی گریز کرتی ہیں، محض اس لیے کہ زیادہ بچے جننے سے ان کے حسن و رعنائی

میں کمی آجائے گی، یا بعض وسائل کی کمی کا بہانہ پیش کرتی ہیں، یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ حکم شریعت اور اجر و ثواب کے مقابلے میں اپنے حسن و جمال کے برقرار رکھنے کو اہمیت دینا، ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح وسائل کا بہانہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور اس پر اعتماد و توکل کے منافی ہے۔

نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَإِيَّاهُمۡ

الانعام–151

''ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور بچوں کو بھی۔''

رزق تو ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم تمھیں بھی اور تمھارے بچوں کو بھی (چاہے وہ کتنے ہی ہوں) رزق دینے پر قادر ہیں، بلکہ سب کی رزق رسانی ہماری ذمے داری ہے۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

ھود–6

''زمین پر چلنے والے کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔''

بنابریں جنت کی خواہش مند عورت کو اولاد کی کثرت سے نہیں ڈرنا چاہیے، نہ از خود افزائش نسل کے خلاف مصنوعی طریقے ہی اختیار کرنے چاہئیں۔

البتہ کوئی عورت ایسی بیمار اور کمزور ہو جس کے لیے بار بار حمل اور وضع حمل کی تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو، تو اس کو جان بچانے کے لیے عزل کے جائز طریقے اختیار کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے۔

عزل کا مطلب، ایسے طریقے اختیار کرنا ہے کہ جس سے مرد کی منی عورت کے رحم میں نہ جاسکے، جیسے اس کے لیے صدرِ اسلام میں مرد انزال کے وقت آلۂ تناسل عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال لیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کے باوجود اس کی اجازت دی ہے۔ آج کل اس کا متبادل کنڈوم (ساتھی) وغیرہ ہیں۔ زیر بحث مخصوص صورت میں اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

مخصوص حالات کے بغیر، ضبط ولادت کے سارے طریقے ناجائز ہیں

تاہم اس کے لیے نس بندی یا عورت کی بچہ دانی کا نکال دینا یا مانع حمل دوائیوں کا استعمال شرعاً محل نظر ہے۔ نس بندی کا مطلب، آپریشن کے ذریعے سے مرد کے آلۂ تناسل افزائش نسل کی صلاحیت سے محروم کر دینا ہے۔ اس کے بعد مرد اس قابل نہیں رہتا کہ وہ عورت کو بار آور (حاملہ) کر سکے۔

بچہ دانی کے نکال دینے کا عمل عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی اندام نہانی (رحم) سے بچہ دانی نکال دی جاتی ہے (یہ عمل بھی غالباً آپریشن ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے) اس کے بعد عورت کو حمل ہی نہیں ٹھہرتا اور یوں وہ افزائش نسل کے قابل نہیں رہتی۔

مانع حمل دوائیوں کا استعمال بھی اس لیے جائز نہیں کہ ایک تو یہ انسانی صحت کے لیے مضر ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کو جو کثرت اولاد کی ترغیب دی گئی ہے اس کے منافی ہے۔

البتہ عزل یا اس کا مذکورہ متبادل مخصوص صورتوں میں جائز ہے، مطلقاً اس کا بھی جواز نہیں ہے۔

کثرت اولاد یا قلتِ اولاد، اسلام نے کس کی ترغیب دی ہے؟

نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا:

"اِنِّی أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ جَمالٍ وَحَسَبٍ وَأَنَّهَا لَا تَلِدُ أَفَأَتَزَوَّجُهَا، قَالَ: لَا، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِیَةَ فَنَهَاهُ، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّی مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ"

''مجھے ایک عورت مل رہی ہے جو خوبصورت اور اچھے خاندان کی ہے، البتہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے، کیا میں اس سے شادی کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں" وہ دوبارہ آیا، آپ نے پھر اس کو روک دیا، پھر وہ تیسری مرتبہ آیا، تو آپ نے فرمایا: (محض حُسن اور خاندان مت دیکھو بلکہ)

بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ (قیامت کے دن) تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔]"2[

کوئی عورت زیادہ بچے پیدا کرے گی یا کم کرے گی یا بالکل ہی نہیں کرے گی؟ ان باتوں کا علم تو شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تو شادی کرتے وقت کس طرح معلوم ہو گا کہ یہ مذکورہ تین قسم کی عورتوں میں سے کون سی عورت ہے؟ اس کا اندازہ اس کی ماں، بہنوں کو دیکھنے سے بالعموم ہو جاتا ہے۔

آج کل یہ پروپیگنڈا عام ہے کہ بچے دو یا تین ہی کافی ہیں، دین سے بے خبر لوگ اس پروپیگنڈے سے متاثر بھی ہو رہے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ نعرہ یکسر غلط ہے۔

اس کے لیے کہا جاتا ہے کہ آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے اگر اس آبادی کو کنٹرول نہ کیا گیا تو ملکی وسائل ناکافی ہو جائیں گے۔

یہ دراصل اسلام دشمن طاقتوں کا بے بنیاد پروپیگنڈا ہے، ورنہ اس کی آڑ میں ان کا اصل ایجنڈا یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں افزائش نسل کی حوصلہ شکنی کر کے ان کو افرادی قوت سے محروم کر دیا جائے تاکہ جب کبھی وہ بیدار ہوں (کیونکہ ابھی تو مسلمان غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں) تو وہ ہم سے لڑنے کا حوصلہ نہ کر سکیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جوں جوں انسانی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ وسائل بھی پیدا فرما رہا ہے۔ آج سے چند صدیاں قبل انسانی آبادی محدود تھی، اس وقت وسائل رزق بھی نہایت محدود تھے۔ اور اب جب کہ آبادی بہت زیادہ پھیل گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے وسائل بھی فراواں کر دیے ہیں اور کسی چیز کی کمی انسانوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ یہ قدرت کا نظام ہے جو اس نے تکوینی طور پر قائم کیا ہوا ہے اور اس میں آئندہ بھی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس

لیے اس غم میں ہلکان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زیادہ آبادی کے لیے کھانے پینے کے وسائل کس طرح مہیا ہوں گے؟ رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اور وہ اسے پورا کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔

البتہ ہماری ذمے داری یہ ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ وسائل کو ہم پوری منصوبہ بندی سے بروئے کار لائیں، مثلاً جو زمینیں قابل کاشت بیکار پڑی ہیں، ان کو ہم کاشت کاری کے لیے کام میں لائیں، وہاں تک پانی پہنچانے کا انتظام کریں، آمد و رفت کو آسان بنائیں اور کاشت کاروں کو ان کی حسب ضرورت وسائل مہیا کریں۔

دوسرے نمبر پر سادگی اور کفایت شعاری کو اپنائیں۔ اس وقت فضول خرچی ہمارا شعار بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے بے پناہ وسائل ضائع ہو رہے ہیں۔ اس ضیاع کو روک کر بھی ہم اپنے وسائل میں مُعْتَد بِہ (معقول) اضافہ کر سکتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر سیلابی بندوں اور پشتوں کو مضبوط کریں تاکہ ہر سال سیلاب کی وجہ سے فصلوں، جانوروں اور انسانوں کا جو ضیاع ہوتا ہے، وہ نہ ہو۔

ضبط ولادت کی تحریک، زناکاری کو فروغ دینے کی استعماری مہم ہے۔

علاوہ ازیں ضبط ولادت کی اس تحریک کے پیچھے اسلام دشمن طاقتوں کا یہ منصوبہ بھی کارفرما ہے کہ اسلامی ملکوں میں اس کے ذریعے سے فحاشی، بے حیائی اور زناکاری کو فروغ دیا جائے اور یوں اسلامی تہذیب کا وہ تخصص وامتیاز ختم ہو جائے جو انسانی معاشرے میں حیا و عفت کے تحفظ کا ضامن ہے۔ جس میں استعماری طاقتیں مسلمان عورت کو بے پردہ کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ جب نس بندی، رحم کی بندش اور مانع حمل دوائیں اور طریقے عام ہو جائیں گے تو اس سے زناکاری کے نتیجے میں حمل ٹھہرنے کا خوف ختم ہو جائے گا جو زناکاری کے عام ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یوں اسلامی ملکوں میں

اسلام کی اعلیٰ تہذیب کے مقابلے میں مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا چلن عام اور اسلام کا تخصص و امتیاز ختم ہو جائے گا۔

"لَا قَدَّرَہُ اللّٰہُ، ثُمَّ لَا قَدَّرَہُ اللّٰہُ"

اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کی اس سازش کو اور اسلامی تہذیب کے خلاف اس منصوبے کو سمجھیں اور ضبط ولادت کے بجائے کثرتِ اولاد کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھیں اور اللہ پر اعتماد و توکل رکھیں۔

یہی ایک مسلمان کی شان ہے۔

وَعَلَى اللَّـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

ابراھیم–11

"مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔"

وَعَلَى اللَّـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ

ابراھیم-12

"توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔"

بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا صحیح حل

بہر حال ضبط ولایت کی تحریک کے پیچھے ایک نہایت گہری اور گھناؤنی سازش کارفرما ہے، ورنہ اس کا اصل حل یہ نہیں ہے کہ آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے فحاشی کے ذرائع عام کر دیے جائیں، بلکہ اس کا اصل حل وسائلِ حیات کے ضیاع کو روکنا اور اس کے لیے بہتر منصوبہ بندی ہے۔

اس وقت وسائل کا جس طرح ضیاع ہو رہا ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خبر، رپورٹ یا سروے روزنامہ "آواز" لاہور (24 اکتوبر 2013ء) درج ذیل سرخی کے ساتھ شائع ہوا ہے:

" "دنیا میں ہر سال 750 ارب ڈالر کی غذائی اشیاء ضائع ہو جاتی ہیں" "

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

''نیویارک (آن لائن) دنیا میں ہر سال 750 ارب ڈالر کی غذائی اشیاء ضائع ہو جاتی ہیں، جو دو ارب افراد کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے۔ فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن۔ (ایف اے او) نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ دنیا میں ہر سال ایک ارب 30 کروڑ ٹن اشیاء خراب یا ضائع ہوتی ہیں، جو کل پیداوار کا ایک تہائی ہے۔ اس ضیاع کو روکا جائے تو دنیا کی ایک چوتھائی سے زیادہ آبادی یعنی دو ارب افراد کی غذائی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ ترقی پذیر ممالک میں ناقص سہولیات کے باعث کاشت، نقل و حمل اور سٹوریج کے دوران غذائی اشیاء خراب ہوتی ہیں جبکہ امیر ممالک میں خریدار کی جانب سے ضیاع سب سے زیادہ ہے۔ یورپ اور شمالی امریکہ میں ہر سال اوسطاً ہر خریدار سو کلو غذائی اشیاء ضائع کرتا ہے جب کہ افریقہ میں یہ ضیاع 10 کلو سالانہ سے بھی کم ہے"(روزنامہ آواز۔ لاہور)

یہ تو غذائی اشیاء کا وہ ضیاع ہے جس کا سدِباب اگر کر دیا جائے تو یہ موجودہ غذائی ذخائر ہی مزید دو ارب انسانوں کی خوراک کے لیے کافی ہیں۔

اس کے ساتھ اگر فضولیات کی مد میں اربوں روپوں کا جو ضیاع ہو رہا ہے اسے اگر روک لیا جائے تو اتنے زیادہ مالی وسائل مہیا ہو سکتے ہیں کہ جس سے معیشت میں ایک نئی روح پھونکی جا سکتی ہے۔ مثلاً: سگریٹ نوشی ہے جس پر ایک رپورٹ کے مطابق گیارہ ارب روپے سالانہ برباد کر دیے جاتے ہیں۔ برِ صغیر پاک و ہند میں پان نوشی ہے، پوری دنیا میں سگریٹ نوشی اور دیگر منشیات کا سلسلہ ہے، عورتوں کے غازہ و لپ اسٹک (میک اپ) کا بڑھتا ہوا بے ہودگی کا مسئلہ ہے۔ عورتوں کے نت نئے فیشنوں اور اسٹائلوں کے لیے بے پناہ اخراجات

ہیں اور اس طرح کے دیگر غیر ضروری اخراجات ہیں۔ ان پر سالانہ کئی ارب نہیں، کھربوں روپے برباد ہو رہے ہیں۔ ان سب کو ختم یا کم یا اعتدال پر رکھنے سے کھربوں روپے سالانہ بچ سکتے ہیں جن کو بے وسائل افراد کی ضروریات پر خرچ کر کے آبادی کنٹرول کرنے کے بجائے آبادی کی فلاح و بہبود پر خرچ کر کے بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کو نہایت آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔

بیوی کا دینی جذبہ اور خاوند کی اطاعت

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی جب کہ ہم آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: میرا خاوند صفوان بن معطل جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں، تو روزہ تڑوا دیتا ہے اور خود فجر کی نماز بھی اس وقت پڑھتا ہے جب سورج نکل آتا ہے (حالانکہ فجر کی نماز صبح طلوعِ شمس سے پہلے پڑھنی چاہیے) اس وقت صفوان بھی وہاں موجود تھے، آپ ﷺ نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے ان شکایات کی بابت پوچھا تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے جو کہا ہے کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے، تو بات یہ ہے کہ یہ دو دو سورتیں پڑھتی ہے، میں اس کو اس سے روکتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر ایک سورت بھی ہو تو لوگوں کے لیے کافی ہے۔" اور اس کا یہ کہنا کہ وہ روزہ تڑوا دیتا ہے تو بات یہ ہے کہ یہ جب (نفلی) روزہ رکھنے پر آتی ہے تو (لگاتار) رکھتی ہی چلی جاتی ہے جب کہ میں جوان آدمی ہوں، صبر نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس روز فرمایا: "کوئی عورت خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔" اور اس کا یہ کہنا کہ میں (فجر کی) نماز سورج کے نکلنے کے بعد پڑھتا ہوں، تو بات یہ ہے کہ یہ بات ہمارے گھرانے کی بابت مشہور ہے، ہمیں اس وقت تک

جاگ نہیں آتی جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب تو بیدار ہو، نماز پڑھ لیا کر۔" [3]

اس حدیث میں کئی اسباق ہیں: مثلاً

(1) بیوی کو نفلی عبادت کا شوق ہو تو اچھی بات ہے لیکن اس شوق کے پورا کرنے میں خاوند کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ اس لیے نفلی عبادت میں خاوند کی اجازت ضروری ہے۔

(2) بیوی خاوند میں کوئی دینی کوتاہی دیکھے تو وہ بڑوں تک اس کی شکایت پہنچا سکتی ہے تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔

(3) ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنی چاہیے تاہم معقول عذر ہو تو بعد میں پڑھنا بھی جائز ہے۔

(4) بیوی کی نفلی عبادت سے خاوند کی حق تلفی ہو تو خاوند اس کو اس سے روک سکتا ہے یا اس میں تخفیف کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

عورت، اپنے غریب خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے

نبی ﷺ نے ایک عید کے موقع پر خطبہ دیا، اس میں عورتوں کو بھی الگ وعظ فرمایا جس میں ان کو کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب فرمائی۔

اسی روز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (زینب) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا:

"اِنَّکَ اَمَرْتَ الْیَوْمَ بِالصِّدَقَةِ وَ کَانَ عِنْدِیْ حُلِیٌّ لِیْ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَتَصَدَّقَ بِهٖ، فَزَعَمَ ابْنُ مسعودٍ اَنَّهٗ وَ وَلَدَهٗ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَلَیْهِمْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، زَوْجُکِ وَ وَلَدُکِ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهٖ عَلَیْهِمْ"

"آج آپ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، میرے پاس میرا کچھ زیور ہے، میں نے اسے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، تو ابن مسعود کا خیال ہے کہ میں جن لوگوں پر صدقہ کروں گی تو ان کے مقابلے میں وہ اور ان کی اولاد زیادہ مستحق

ہے۔(یہ سن کر) نبی ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود نے سچ کہا، تیرا خاوند اور تیری اولاد ان کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہے جن پر تو صدقہ کرے گی۔]"4]

ایک دوسری روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت زینب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"نَعَمْ، وَلَهَا اَجْرَانِ، اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ"

'ہاں وہ اپنے خاوند کو صدقہ دے سکتی ہے، اس میں اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک حقِ قرابت کی ادائیگی کا اجر اور ایک صدقے کا اجر۔]"5]

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر غریب ہو، اس کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں اور بیوی صاحبِ حیثیت ہو یا اس کے پاس بمقدار نصاب طلائی زیور ہوں تو اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم اپنے خاوند کو دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے، اس طرح وہ ڈبل اجر کی مستحق ہوگی۔ اسی طرح زیر پرورش یتیم بچوں پر زکوۃ کی رقم خرچ کرنا بھی دگنے اجر کا باعث ہے۔

تاہم خاوند اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنی بیوی اور اپنے بچوں پر خرچ نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے نان نفقہ کا ذمے دار وہ خود ہے، وہ یہ ذمے داری اصل مال سے ادا کرے گا نہ کہ مالِ زکوٰۃ سے۔ عورت چونکہ خاوند کے نان نفقے کی ذمے دار نہیں ہے اس لیے وہ اس کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

بیوی انمول عطیہ ہے، عضو معطل نہیں

انمول، ایسی قیمتی اور نادر چیز کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت صحیح معنوں میں ادا نہیں کی جا سکتی۔ عورت بھی ایک ایسی ہی انمول چیز ہے کہ مرد اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا، گویا وہ ایسا عطیۂ الٰہی ہے جس پر انسان اللہ کا جتنا بھی شکر کرے، اس نعمت اور عطیے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے آپ دو سوالوں پر غور کریں۔

(1) آپ اس پر کتنی ماہانہ یا سالانہ رقم خرچ کرتے ہیں؟

(2)اور وہ اس کے بدلے میں آپ کی، آپ کے بچوں اور گھر کی کتنی خدمت کرتی ہے؟

اگر عورت سگھڑ، سلیقہ مند، سادہ مزاج (جیسا کہ ایک مسلمان عورت کو ہونا چاہیے) زمانے کے نت نئے فیشنوں سے بیزار، آئے دن نئے نئے مطالبات سے نا آشنا اور اس قسم کی دیگر خوبیوں سے آراستہ ہو۔ تو آپ خود سوچ لیں آپ اس پر کتنی ماہانہ یا سالانہ رقم خرچ کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اس کی خدمت کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ اس سے آپ کو کتنے مالی اور دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(1) وہ تین وقت آپ کے لیے، بچوں کے لیے، اگر والدین وغیرہ بھی ہوں تو ان کے لیے بھی خوراک کا انتظام کرتی ہے، صبح کا ناشتہ، دوپہر کا اور رات کا کھانا۔ اس کے لیے اگر آپ کسی باورچی کا انتظام کریں تو اس کے لیے کم از کم 15 سے 20 ہزار روپے تک ماہانہ آپ کو دینے پڑیں گے۔

(2) وہ آپ کے اور بچوں کے اور دیگر افرادِ خانہ کے کپڑے دھوتی اور ان کو استری کرتی ہے اگر آپ یہ کپڑے کسی ڈرائی کلینز (دھوبی) سے دھلوائیں تو اس پر بھی ماہانہ خرچ چار پانچ ہزار سے کم نہیں ہوگا۔

(3) گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے آپ کسی ملازمہ کو رکھیں گے تو اس کا بھی ماہانہ خرچ دو ہزار سے ڈھائی تین ہزار تک سے کم نہیں ہوگا۔

ان کے علاوہ گھر کے اور کئی دسیوں قسم کے کاموں کے لیے، جو کہ عورت وہ خاموشی سے سر انجام دیتی ہے، جیسے چھوٹے بچوں کی حفاظت اور نگرانی وغیرہ کے لیے کوئی آیا، ماما رکھیں گے تو اس پر بھی چند ہزار روپے ماہوار ضرور آپ کا خرچہ ہوگا۔

اس رقم کا حساب لگالیں جو 25 سے 30 ہزار کے درمیان ہوگی۔ گویا بیوی کی ان خدمات کے عوض آپ کو 25 سے 30 ہزار تک کی ماہانہ بچت ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ آپ کے دکھ درد میں آپ کی ساتھی، زندگی کے بیشتر معمولات میں آپ کی مشیر، آپ کو سکون اور لذت کا سامان مہیا کرنے والی ہے۔ یہ سکون اور لذت آپ کو بیوی کی آغوش محبت کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔

ان تمام حقیقتوں کے باوجود بعض لوگ عورت کی ان جانکاہ محنتوں اور جاں گداز مشقتوں کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور اسی لیے اس گراں قدر نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ اور بعض نادان قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ عورت معاشرے کا عضو معطل ہے، اس کو مرد کے شانہ بشانہ ملک کی ترقی میں حصہ لینا چاہیے، یوں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ گھریلو عورت جو ملک کی نصف آبادی ہے، بیکار اور ملک پر بوجھ ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

یہ مغرب زدہ، شیطان صفت اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے خبر لوگ ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ عورت اپنے منصبی دائرۂ کار میں گھریلو امور سر انجام دے کر مرد کو بے مثال سکون مہیا کرتی ہے جس کی بنا پر مرد بیرونِ در کی تمام مصروفیات نہایت خوش دلی اور بے فکری سے سر انجام دے لیتا ہے۔ اگر گھر کی طرف سے اس کو یہ سکون میسر نہ ہو تو مرد گھر سے باہر کے امور (تجارت و کاروبار، لین دین، سیاست و نظم حکومت وغیرہ) احسن طریقے سے سر انجام نہیں دے سکتا۔

بنابریں عورت عضو معطل نہیں ہے بلکہ ملک کا فعّال عضو اور ملکی ترقی میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مغرب کی عورت اپنی ردائے عفت کو تار تار کرکے اور خاندانی نظام کو تارپیڈو کرکے ملک کی ترقی میں شریک ہے اور مسلمان عورت نے اپنی عصمت کو بھی داؤ پر نہیں لگایا ہے اور خاندانی

نظام کو بھی تحفظ دیا ہوا ہے اور ان دونوں خوبیوں کے ساتھ وہ گھر کے مذکورہ سارے کام کرے ملک کی ترقی میں بھی برابر کا کردار ادا کر رہی ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں خصوصی ہدایات

خطبۂ حجۃ الوداع میں، جو نبی ﷺ کا آخری حج تھا اور آپ کی زندگی کا آخری سال بھی تھا، آپ نے جن خصوصی باتوں کی طرف اپنی امت کو توجہ دلائی۔ ان میں عورتوں کے بارے میں بھی آپ نے بڑی اہم ہدایات دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابَ اللهِ"

'(مسلمانو!) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کی ضمانت پر لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بھی اللہ کے نام پر حلال کیا ہے، تمہارے لیے عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں حق ہے کہ ان کو ایسی مار مارو جس سے ان پر نشان نہ پڑے (تنبیہ کے طور پر ہلکی سی مار) اور ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کی خوراک اور پوشاک کا معروف طریقے سے انتظام کرو، اور میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اس کے ہوتے ہوئے تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، بشرطیکہ تم اسے تھامے رہو گے (اس پر عمل پیرا رہو گے) (وہ کیا ہے؟) اللہ کی کتاب۔

یہ ساری باتیں وہی ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں، ان کو یہاں دوبارہ بیان کرنے سے مقصود رسول اللہ ﷺ کی اس فکر و تشویش کی وضاحت ہے جو عورتوں کے بارے میں آپ کو تھی کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اور حج جیسے اہم موقع پر، جس میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ اہم باتیں بیان فرمائیں تاکہ مسلمان ان کو نظر انداز کر کے عورتوں کے اس مقام و مرتبہ کو فراموش نہ

کردیں جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے۔کاش مسلمان عورتوں کے بارے میں ان اہم ہدایات کو سامنے رکھیں اور ان کے برعکس رویہ اختیار کرکے اسلام کی بدنامی کا باعث نہ بنیں۔

[1]سلسلة الأحاديث الصحيحة:515/1،رقم الحديث:287

[2]سنن أبي داود: كتاب النكاح،باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء،حديث:2050

[3]سنن أبي داود: كتاب الصيام،حديث:2459،سلسله الصحيحة:204/5،رقم:2172

[4]صحيح البخاري: كتاب الزكاة،باب الزكاة على الأقارب:حديث1462

[5]صحيح البخاري: كتاب الزكاة،باب الزكاة على الزوج و الأيتام فى الحجر:حديث،1466

(3) حقوقِ نسواں! عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید

بیوی کے حسن سلوک کی تفصیل اور اس کی بابت مرد کی ذمہ داریاں

عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید

اسلام نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی بھی بڑی تاکید کی ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معاشرت بالمعروف کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

النساء.519.5

'' تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔''

جس کا مطلب، عورت کے حقوق کی صحیح ادائیگی، اس کی ضروریات زندگی (نان و نفقہ، لباس) کی فراہمی اور اپنے وسائل کے مطابق اسے ہر طرح کی آسانی اور سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔ اس سلسلے کی متعدد احادیث اس سے قبل

''مرد اور عورت دونوں کی خدمات کا دائرۂ کار' '

عنوان کے تحت بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا'

صحیح بخاری کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، حدیث نمبر:5186

'' عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، اس لیے کہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے (لیکن سیدھا نہیں کر سکو گے حتی کہ معاملہ طلاق تک پہنچ جائے گا) اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا (یعنی عورت کی فطری کجی کبھی ختم نہیں ہو گی، اس لیے اس کو

برداشت کرتے ہوئے) اس کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ (اس کے ساتھ نباہ کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے)۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے حقوق کی اتنی فکر تھی کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی آپ نے اس کی تاکید فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

'أَلَاوَاسْتَوْصُوابِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَاهُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَاتَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوطِئَنَّ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنَّ فِى بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِى كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ'

جامع الترمذي، حديث:1163

' "سنو! تم عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، بلاشبہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں (تم ہی ان کے سب کچھ ہو اور وہ تمہارے رحم و کرم پر ہیں) اس کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی (بدزبانی و بدسلوکی) کا ارتکاب کریں تو تم ان سے بستروں میں علیحدگی اختیار کر لو اور ان کو اس طرح ہلکی مار مارو جس سے ان کو شدید ضرب نہ آئے۔ اگر (اس حکمت عملی سے وہ ٹھیک ہو جائیں) تمہاری باتیں مان لیں تو تم ان کے لیے کوئی اور راستہ نہ ڈھونڈو (طلاق نہ دو)۔ یاد رکھو! تمہارے لیے تمہاری عورتوں پر حق ہیں اور اسی طرح تمہاری عورتوں کے لیے تم پر حق ہیں۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو اِذنِ باریابی نہ دیں جن کو تم اچھا نہیں سمجھتے۔ سنو! اور ان عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے لباس اور خوراک میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو (اس میں کوتاہی نہ کرو)۔"

یہ ارشادِ مبارک بھی بڑا جامع ہے اور اس میں ازدواجی زندگی میں پیش آنے والے نشیب و فراز کے بارے میں بڑی مفید ہدایات دی گئی ہیں جن پر اگر میاں بیوی
صدق دل سے عمل کریں تو پیدا ہونے والی پیچیدگیاں آسانی سے سلجھ سکتی ہیں اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کا یہی اصول ہے کہ دونوں میاں بیوی اولاً ایک دوسرے کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ کوئی ناخوشگوار مرحلہ ہی نہ آئے لیکن کسی کی کوتاہی سے اگر ایسا مرحلہ آ ہی جائے تو مذکورہ فرمان رسول میں بتلائی ہوئی حکمت عملی کو بروئے کار لا کر اس کا ازالہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔
معاملات میں زیادہ بگاڑ، جس سے گھر اجڑ جاتے ہیں، اسی وقت آتا ہے کہ جب چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنے یا ان کو مناسب حکمت عملی سے سلجھانے کے بجائے، سخت اور نامناسب رویہ اختیار کیا جائے اور ان کو بڑھایا جائے۔ اس سے ایک چنگاری شعلہ بن جاتی ہے اور گھر بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔
بگاڑ کا ایک اور سبب مرد کا قوت برداشت اور صبر و دانائی سے کام لینے کے بجائے جلد بازی اور اپنی حاکمیت و قوامیت کا بے اعتدالی سے استعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر قوّام بنایا ہے، اس قوامیت کا تقاضا ہے کہ وہ صنف نازک کی فطری کمزوری اور کجی کو حکمت و دانائی سے برداشت کرے نہ کہ کمزور کے مقابلے میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرے۔ اس قوت مردانگی کا بے جا استعمال بھی اکثر گھروں کے آرام و سکون کو برباد کر دیتا ہے۔
مذکورہ احادیث میں مرد کو یہی نکتہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورت کے مقابلے میں اللہ نے مرد کو عقل و شعور اور جسمانی قوت زیادہ عطا کی ہے، اس اعتبار سے گھر کو آباد رکھنے میں اس کی ذمے داری بھی زیادہ ہے، اس کو ہر وقت

حکمت ودانائی اور صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔جو مردانِ حق آگاہ اس نکتے کو سمجھ لیتے ہیں،وہ عورت میں موجود اس کی خوبیوں کی قدر کرتے اور کمزوریوں اور کوتاہیوں کو برداشت کرتے ہیں، نتیجتاً ان کی ازدواجی زندگی پر سکون گزرتی اور گھر جنت کا نمونہ بنا رہتا ہے اور جو مرد اس کے برعکس رویہ اختیار کرتے اور عورت کی خوبیوں کو نظر انداز کرکے اس کی فطری کجی (ٹیڑھی پسلی) کو سیدھا کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں،وہ اپنا گھر اجاڑ بیٹھتے ہیں۔

حسن معاشرت کے لیے چند رہنما اصول

عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی جو تاکید ہے،وہ پچھلے صفحات میں آپ نے پڑھ لی،مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر وہ رہنما اصول بھی بیان کر دیے جائیں جن پر عمل کرنے سے حسن معاشرت کا اہتمام آسانی سے ہوسکتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔یہ رہنما اصول حسب ذیل ہیں،یہ دراصل مرد کے ذمے وہ حقوق ہیں جو اس پر عورت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں،ان حقوق کی پوری رعایت اور ادائیگی سے حسن معاشرت کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔

لیجیے !ملاحظہ فرمایئے۔

حق مہر کی ادائیگی

سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ پوری خوش دلی سے حق مہر ادا کیا جائے،اس میں قطعاً نہ کوتاہی کی جائے اور نہ اس میں بلاوجہ تاخیر۔تاہم عورت رضامندی سے اپنا یہ حق مہر معاف کر دے تو بات اور ہے،عورت ایسا کر سکتی ہے لیکن بلاجبر واکراہ،اپنی رضامندی سے۔اگر عورت یہ ایثار کرے تو مرد سے یہ ذمے داری ساقط ہو جائے گی۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا

سورۃالنساءآیت نمبر 4

’’اور تم عورتوں کے حق مہر خوشی سے ادا کرو، اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ معاف کر دیں تو تم اسے رچتا پچتا کھالو۔‘‘

خوبیوں پر نظر رکھی جائے

ضروری نہیں کہ ہر مرد کو اس کی پسند اور خواہش کے مطابق بیوی مل جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو سبحان اللہ۔ اللہ کا شکر ادا کرے۔ بصورت دیگر اس پر نہ گھٹن محسوس کرے اور نہ اس سے نفرت و کراہت کا اظہار۔ بلکہ نوشۂ تقدیر سمجھ کر اسے برداشت کرے اور اس کے حقوق ادا کرے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے بہتری کا سامان پیدا کر دے، اس سے اللہ تعالیٰ اولاد صالح عطا فرما دے جو اس کے لیے دین و دنیا کی سعادت کا باعث بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْــــًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ

البقرۃ 216

’’ہو سکتا ہے جس چیز کو تم ناپسند کرو، وہ تمھارے لیے بہتر ہو۔‘‘

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

’’کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت (بیوی) سے بغض دلی نفرت نہ رکھے، اگر اس کے اندر کوئی ناپسندیدہ چیز ہے تو کوئی دوسری چیز پسندیدہ بھی ہوگی۔‘‘(؟)

مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں اچھائی اور برائی دونوں ہی ہوتی ہیں۔ اس لیے نباہ کا طریقہ یہی ہے کہ برائیوں کو نظر انداز کر کے اچھائیوں (خوبیوں) پر نظر رکھی جائے۔ انسان کو اپنے والدین، اولاد، بہن بھائیوں کے معاملے میں بھی یہی اصول اپنانا پڑتا ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، ورنہ انسان کا مذکورہ رشتوں کا نبھانا بھی ناممکن ہو جائے۔

بیوی کے لیے بھی اسی اصول کو سامنے رکھا جائے تو بیوی کے ساتھ، اس کی بعض ناپسندیدہ باتوں کے باوجود نباہ آسان ہو جاتا ہے اور اس صبر و ضبط کے صلے میں اس کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی بہت سی سعادتوں سے بھی نواز دیتا ہے۔

کسی بھی اختلاف کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنایا جائے

گھریلو معاملات میں، رشتے داروں کے معاملات میں، حتیٰ کہ اپنے ہی بچوں کے معاملات میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوتا رہتا ہے اور خانگی زندگی اکثر و بیشتر اسی طرح گزرتی ہے، الا ماشاء اللہ۔ اگر کسی وقت یہ اختلاف شدت اختیار کر جائے تو مرد کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل اور درگزر سے کام لے اور کسی بھی اختلاف یا مسئلے کو اپنی انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ انا اور وقار کا مسئلہ بنا لینے سے وہ اختلاف ختم یا کم نہیں ہوتا بلکہ اس کی شدت و وسعت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور بہت سی خرابیوں اور مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ اور اگر اپنی انا کو دبا کر افہام و تفہیم اور تواضع سے کام لیا جائے تو بڑے سے بڑا اختلاف بھی ختم یا کم ہو جاتا ہے اور کوئی درمیانی راستہ اختیار کرنے سے اتفاق رائے پیدا ہو جاتا ہے۔

بیویوں کو بھی اختلاف رائے اور مشورے کا حق دیں

بعض مرد نہایت خود پسند ہوتے ہیں، وہ کسی کو بھی اختلاف رائے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ اپنے آپ ہی کو عقلِ کل سمجھتے اور بیوی کی رائے کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہر معاملے میں اپنی من مانی کرتے اور گھر میں ڈکٹیٹرشپ (آمریت) نافذ کرتے ہیں۔

یہ رویہ بھی خوش گوار ماحول کے منافی ہے جب کہ گھریلو زندگی کی خوش گواری کے لیے ماحول کی خوش گواری نہایت ضروری ہے اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے کہ مرد بیوی کو زندگی کا دوسرا پہیہ سمجھے، جیسا کہ وہ واقعتاً ہے، اور ہر اہم معاملے میں اس کو اعتماد میں لے کر فیصلہ

کرے اور اس سے مشاورت کا اہتمام کرے، اس کے دلائل سنے اور اپنے دلائل اس کو سنائے، اس طرح زیر بحث مسئلے کے سارے پہلو سامنے آجائیں گے جس کی روشنی میں بہتر فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ذیل کی حدیث سے ہمیں کافی رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ا۔'

' 'اللہ کی قسم! ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت وہ احکام نازل فرمائے جو (اسلام نے عورتوں کی بابت دیے۔) اور ان کو بہت سی رعایتیں دیں (جس سے ان کے اندر اعتماد اور گھریلو معاملات میں اختلاف رائے کا شعور پیدا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ایک مرتبہ میں اپنی بیوی کو کسی بات کا حکم دے رہا تھا کہ (اس نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا) اگر آپ یہ کام اس اس طرح کر لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے اس سے کہا: تجھے میرے معاملے میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ اور میرے حکم سے سرتابی کیوں کرتی ہے؟ اس نے مجھ سے کہا: ابن خطاب! آپ پر مجھے تعجب ہے، آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بات پر بحث و تکرار نہ کی جائے، حالانکہ آپ کی بیٹی (ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی ہے جس کی وجہ سے (بعض دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا دن اس سے ناراض رہتے ہیں۔"

[3] صحيح البخاري، حدیث: 4913

اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و کرم کا معاملہ کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس کے نتیجے میں مسلمان عورت کے اندر جو شعور اور اعتماد پیدا ہوا، جس پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ازواج مطہرات کے معاملے میں عمل کیا، اس کی ایک جھلک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کی مذکورہ حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کو اہمیت نہ دینا اور استبداد رائے کا مظاہرہ کرنا یکسر غلط اور حسن معاشرت اور اسوۂ رسول کے خلاف ہے۔

کسب معاش، یعنی سرمائے کی فراہمی مرد کی ذمے داری ہے

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت، دونوں کو الگ الگ مقاصد کے لیے تخلیق کیا ہے اور اسی مقصد تخلیق کے تحت دونوں کو جسمانی، ذہنی اور دماغی صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ پھر اس کے مطابق دونوں کا دائرۂ کار بھی متعین فرما دیا ہے۔ عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے جہاں وہ خانگی امور (کھانے پکانے، صفائی دھلائی وغیرہ) بچوں کی دیکھ بھال، ان کی تربیت و نگرانی، گھر کی حفاظت اور خاوند کے مال کی حفاظت اور خاوند کی خدمت وغیرہ کی ذمے دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صلاحیتیں بھی ایسی ہی دی ہیں کہ وہ یہ سارے امور نہایت خوش اسلوبی سے سر انجام دے لیتی ہے۔

اسی لیے اس کو حکم ہے:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ

الأحزاب33

" "تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔"

مرد کا دائرۂ کار بیرون در، یعنی گھر سے باہر کے امور ہیں، گھریلو نظام چلانے اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے معاشی جدوجہد اس کی ذمے داری ہے، وہ تجارت کرے، کھیتی باڑی کرے، ملازمت کرے، گھر کا سودا سلف لائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور اسی کے ذمے ہیں۔

اللہ نے مرد کی قوامیت کی ایک وجہ اس کا کسب معاش کا ذمے دار ہونا بتلائی ہے اور دوسری وجہ جو وہبی، یعنی اللہ کی عطا کردہ ہے، وہ عورت کے مقابلے

میں اس کا عقلی ودماغی صلاحیتوں میں عورت سے ممتاز ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ النساء:34

’’مرد عورت پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے مال خرچ کئے ہیں۔‘‘ میں اسی نکتے کو بیان فرمایا ہے۔

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ

’’جب تو کھائے، اسے بھی کھلا، جب تو پہنے، اسے بھی پہنا، اس کے چہرے پر نہ مار، نہ اسے برا بھلا کہہ اور اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کر (نہ اس کو گھر سے نکال اور نہ خود گھر سے نکل۔‘‘

ایک اور حدیث میں بیوی بچوں پر خرچ کرنے کو زیادہ اجر و ثواب کا باعث قرار دیا۔ فرمایا:

’دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ‘[5]صحیح مسلم حدیث:995

’’ایک دینار وہ ہے جسے تو نے جہاد پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی غلام کی آزادی پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی مسکین پر صدقہ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان سب میں سے زیادہ اجر کا باعث وہ دینار ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا۔‘‘

ایک دوسری حدیث میں اہل وعیال پر خرچ کردہ دینار کو ’’افضل دینار‘‘ قرار دیا۔ فرمایا:

’أَفْضَلُ دِينَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ، دِينَارٌ يُنْفِقُهُ عَلَى عِيَالِهِ‘[6]صحیح مسلم حدیث:994

’ ’سب سے افضل دینار، جو آدمی خرچ کرے، وہ دینار ہے جو وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے۔“

انسان اگر اس نیت سے کمائے کہ میں نے وہ فریضہ ادا کرنا ہے جو اللہ نے مجھ پر بیوی بچوں کے نان نفقہ کے بارے میں عائد کیا ہے اور اس میں صرف حلال ذرائع ہی اختیار کرے، تو اس کا یہ کمانا اور اہل وعیال کو کھلانا سب صدقہ (نیکی ہی نیکی) بن جاتا ہے۔

’إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً، وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً‘[7]صحیح مسلم حدیث:1002

’ ’مسلمان جب ثواب کی نیت سے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ سب صدقہ (نیکی) بن جاتا ہے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیوی بچوں کی کفالت کی ساری ذمے داری مرد کی ہے عورت اس سے یکسر فارغ ہے۔ اس لیے کسی مرد کو بھی اپنی بیوی کو ملازمت اور محنت مزدوری کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اس کو گھر کی ملکہ بنایا ہے، اس کے اس اعزاز کو برقرار رکھا جائے، لوگوں کی نازبرداری کروا کریا افسروں کا حاشیہ بردار بنا کر اس
کی بے توقیری نہ کی جائے اور نہ اس کو گھر سے نکال کر اس کی عصمت وتقدس کو خطرے میں ڈالا جائے۔

عورت کی عزت جس طرح گھر کے اندر رہنے میں ہے، اسی طرح مرد کی عزت گھر سے باہر نکل کر کسب معاش کے لیے محنت وجدوجہد کرنے میں ہے۔

جو مرد نکھٹو بن کر گھر میں بیٹھے رہتے ہیں یا دوستوں کے ساتھ گپ شپ ہی کو مقصد زندگی بنائے رکھتے ہیں اور اہل وعیال کے نان نفقہ کی ذمے داری سے غافل رہتے ہیں جس کی وجہ سے مجبوراً عورت کو اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے در در کی

ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں یا پھر اپنے میکے کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے،
ظاہر بات ہے ایسے مردوں کا رویہ حسن معاشرت کے یکسر منافی ہے۔
حسن معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد بہ رضا اور غبت اپنی بیوی بچوں کی
کفالت کی ذمے داری بہ طریق اُحسن ادا کرے۔

خرچ میں اعتدال اور میانہ روی ضروری ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اخراجات کے معاملے میں اسلام کی
اعتدال پر مبنی تعلیمات کی طرف بھی کچھ اشارہ کر دیا جائے کیونکہ ہمارے
معاشرے میں ہر معاملے میں افراط و تفریط کا سلسلہ عام ہے۔
معاشیات اور مالیات میں بھی یہ افراط و تفریط اکثر و بیشتر دیکھنے
میں آتی ہے۔ کہیں اسراف و تبذیر ہے تو کہیں کنجوسی اور بخل کی انتہا۔ اسلام
میں یہ دونوں رویے ناپسندیدہ ہیں۔
بیوی بچوں کے نان و نفقے پر کس طرح خرچ کیا جائے، اس کے لیے اسلام نے کسی
حد کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ انصاف پر مبنی ایک نہایت اہم اصول یہ
بیان فرمایا ہے۔:

[لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّآ آتَاهُ اللَّهُ] الطلاق 7

''خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق (بیوی بچوں پر) خرچ کرے اور
جسے رزق کم دیا گیا ہو، وہ اس مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔''

دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے:

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

الأعراف:31

''کھاؤ پیو اور اسراف فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ اللہ اسراف کرنے
والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾

سورہ بنی االاسرائیل آیت نمبر26 تا27

’’فضول خرچی مت کر، یقینا فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے۔‘‘

قرآن نے فضول خرچی کے لیے اسراف اور تبذیر دو لفظ استعمال کیے ہیں۔ دونوں لفظ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے پر بولے جاتے ہیں اس لیے دونوں کے معنی فضول خرچی کے کیے جاتے ہیں۔ بعض اس میں فرق کرتے ہی ہیں، وہ کہتے ہیں:

اسراف کے معنی ہیں، حد سے نکل جانا۔ اس لیے ہر چیز میں حد سے نکل جانا اسراف ہے۔ کھانے پینے، یعنی ضروریات زندگی پوری کرنے میں حد سے تجازو کرنا بھی اسراف ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’کُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ‘

صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ: قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ۔

’’کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو۔ البتہ دو باتوں سے گریز کرو، اسراف اور تکبر سے۔‘‘

صدقے میں تو اسراف پسندیدہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا مطلوب ہے، لیکن اس حدیث میں صدقے میں بھی اسراف سے روکا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کی آمدنی تھوڑی ہے، وہ صاحب حیثیت نہیں ہیں۔ ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کریں، اس کے بعد دیگر مدات خیر پر خرچ کریں اور وہ بھی اتنی مقدار میں جس سے نفقات واجبہ متاثر نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کے لیے حکم ہے کہ وہ صدقہ بھی اپنی مالی پوزیشن کے مطابق ایک حد تک ہی کریں، اس سے تجاوز

نہ کریں۔ ورنہ اصحاب حیثیت کے لیے تو اجازت ہے کہ وہ جتنا چاہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہیں بلکہ ان کو تو خوب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔

اور تبذیر کے معنی، ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں، چاہے تھوڑا ہی ہو۔ بہر حال جائز امور میں بھی فضول خرچی کی اجازت نہیں ہے۔ جب کہ ناجائز امور میں تو خرچ کرنے کی قطعاً اجازت ہی نہیں ہے۔

فضول خرچی سے ممانعت، افراط کی ممانعت ہے جو ہمارے معاشرے میں زندگی کے ہر شعبے میں عام ہے بلکہ یہ افراط (فضول خرچی) ہمارا قومی شعار بن چکی ہے۔

اس کے مقابلے میں تفریط (کوتاہی) ہے یعنی ضرورت کے مطابق بھی خرچ نہ کرنا بلکہ تنگ دلی، کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرنا۔ بعض لوگ اس مرض میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور اس کا مظاہرہ وہ اپنے اہل وعیال کے معاملے میں بھی کرتے ہیں۔ بیوی کو پورا خرچ نہ دینا، ایک ایک پائی کا اس سے حساب لینا۔ یا گھریلو سامان خود لا کر دینا تو وہ پورا لا کر نہ دینا۔ یا بیوی کو حسب ضرورت کچھ خریدنے کے لیے جیب خرچ بھی مہیا نہ کرنا، اخراجات کے معاملے میں بیوی پر اعتماد نہ کرنا اور معمولی معمولی اخراجات کے لیے بھی اس کا خاوند کے رحم وکرم کا محتاج ہونا، وغیرہ۔ یہ ساری صورتیں بخل اور کنجوسی کی ہیں جو ناپسندیدہ ہیں۔

ایسے خاوندوں کی بیویاں جب میکے (کچھ دنوں کے لیے اپنے والدین کے ہاں) جاتی ہیں تو بالکل خالی ہاتھ جاتی ہیں، خاوند ان کو جیب خرچ دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ وہ والدین کے ہاں معمولی معمولی ضروریات کے لیے بھی والدین ہی سے رقم لینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ والدین کے ہاں ان کی حیثیت مہمان کی ہوتی ہے اور والدین حتی الامکان حسب استطاعت اپنی مہمان بیٹیوں اور نواسے نواسیوں کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت

نہیں کرتے حتیٰ کہ بچوں کی ضروریات کے لیے بھی کچھ خرچ کرنا پڑے تو وہ دریغ نہیں کرتے۔ لیکن ایسے خاوندوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کا یہ رویہ اخلاقاً اور شرعاً صحیح ہے؟ آخر شادی کے بعد بیوی بچوں کے نان ونفقہ کا مکمل ذمے دار خاوند ہے۔ اس کی بیوی چند دنوں کے لیے ماں باپ کے پاس جائے تو بلاشبہ اس کو کھلانا پلانا تو مہمان نوازی کا ایک حصہ ہے اور ماں باپ یہ فریضہ نہایت خوش دلی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن کیا بیوی کو یا بچوں کو دوائی کی ضرورت ہو، یا بچوں کے بعض اضافی اخراجات ہوں۔ کیا ان کے لیے بھی رقم مہیا کرنا والدین کی ذمے داری ہے؟ نہیں، یقینا نہیں۔ اس کا ذمے دار خاوند ہے۔ اگر وہ بیوی کو خالی ہاتھ میکے چھوڑ کر جاتا ہے تو یقیناوہ کنجوسی اور بخیلی کے علاوہ بد اخلاقی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے سسرال پر وہ ناروا بوجھ ڈالتا ہے جس کے ذمے دار وہ نہیں ہیں، بلکہ خاوند ہے، گو وہ خاموشی سے اضافی خرچ بھی پورا کر دیں لیکن خاوند کی یہ کنجوسی اور بداخلاقی ان کے لیے بار خاطر ضرور بنتی ہے اور بیوی کے لیے بھی شرمندگی کا باعث، اگر بیوی حاس اور سمجھ دار ہو۔

بہر حال بعض لوگوں کا یہ رویہ کنجوسی اور بخیلی کی انتہا ہے جو حسن معاشرت، حسن اخلاق کے منافی اور شریعت سے متجاوز ہے۔

اسلام میں ان دونوں انتہائوں کے درمیان کفایت شعاری کی تلقین ہے۔

شریعت اسلامیہ میں نہ اسراف پسندیدہ ہے اور نہ کنجوسی اور بخیلی۔ بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ فضول خرچی کے مقابلے میں کفایت شعاری کو پسند کرتا ہے لیکن کفایت شعاری کا مطلب بخل نہیں، بلکہ حد سے تجاوز نہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾

سورہ بنی اسرائیل\الاسراء آیت نمبر 29

’’اور نہ رکھ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا اور نہ اسے کھول دے بالکل کھول دینا، کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا، تھکا ماندہ۔‘‘[بنی اسرائیل 17:29]

اس آیت کی تفسیر ’’احسن البیان‘‘ میں درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

’’اس میں انفاق (خرچ کرنے) کا ادب بیان کیا جارہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور دیگر مالی حقوق واجبہ بھی ادا نہ کرے۔ اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملوم یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ماندہ اور پچھتانے والا)۔

محسور، اسے کہتے ہیں جو چلنے سے عاجز آچکا ہو، فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔ یہ کنایہ ہے بخل سے۔ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے۔ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔]‘‘9]

بیوی کے لیے مناسب تفریحی مواقع فراہم کرنا

بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور اس کی تفریحِ طبع کے مواقع پیدا کرنا، یہ بھی حسن معاشرت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اس کا سروسامان بھی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی کرنا ہے نہ کہ اس سے تجاوز کرکے، نیز اپنی وسعت کے مطابق نہ کہ اس سے بڑھ کر، جس سے وہ خود زیربار ہو جائے۔

جیسے آج کل ٹی وی ڈراموں، فلموں اور تھیٹر کے فحش مزاحیہ ڈراموں کو تفریح کا سامان سمجھا جاتا ہے، اس کے لیے گھروں میں ٹی وی، وی سی آر اور کیبل اور نیٹ وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے یا سینماؤں یا تھیٹر ہالوں (الحمراء وغیرہ) کا رخ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب شیطانی تفریح ہے کیونکہ ان میں قدم قدم پر

شریعت سے تجاوز ہے، ان میں ہیجان انگیز جنسی مناظر اور حرکات سے شہوانی جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے، فحاشی و عریانی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط ہوتا ہے اور اس طرح کی متعدد قباحتوں اور غیر شرعی حرکتوں کا وہاں ارتکاب ہوتا ہے۔

شریعت کی نظر میں مذکورہ چیزیں "تفریح طبع" کا نہیں، خباثت و کثافت اور شیطنت کی مظہر ہیں، ان سے بے حیائی، فحاشی اور مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا فروغ ہو رہا ہے۔ اس لیے ان کا گھروں میں رکھنا جرم عظیم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دنیا و آخرت میں شدید وعید بیان فرمائی ہے:

لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾

سورہ النور آیت نمبر 29

" "جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

جب بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرنے والوں کے لئے اتنی سخت وعید ہے تو جو خود اپنے گھر والوں میں اس کو پھیلانے کے ذمہ دار ہیں وہ کتنی سخت وعید کے مستحق ہونگے؟ اسی طرح دور دراز کی تفریحی مقامات پر بیوی بچوں کو لے جانا بھی ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ یہ تفریح صرف وہ لوگ برداشت کر سکتے ہیں جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہے، ایسے لوگ بیوی بچوں سمیت ایسے مقامات پر جا سکتے ہیں اور وہاں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے وہاں کے حسین قدرتی مناظر اور روح افروز شادابی سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اور جو وسائل فراواں سے محروم ہیں، وہ مقامی باغات اور تفریح گاہوں میں حسب ضرورت جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی جو مناسب تفریح کے مواقع اور طریقے ہیں، انھیں اختیار کیا جا سکتا ہے جس کے بعض نمونے ہمیں اسوۂ رسول میں بھی

ملتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش مزاجی اور خوش طبعی کی ایک مثال یہ ملتی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تنہائی میسر آئی تو) آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو میرے طاقچے کے آگے پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا چلی تو اس نے پردے کا ایک حصہ ظاہر کر دیا جس سے (طاقچے میں پڑے ہوئے) میرے کھلونے اور گڑیاں نظر آنے لگیں، آپ نے پوچھا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے ان میں کپڑے کا ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے جو میں ان کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔ آپ نے پوچھا: ''اور اس کے اوپر کیا ہے؟'' میں نے کہا: اس کے دو پر ہیں۔ آپ نے کہا: ''کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے سنا نہیں کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔''[10]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ صغیر السن (کم سن) تھیں، اس لیے چھوٹی عمر کی بچیوں میں کھلونوں کے ساتھ (بالخصوص گڑے، گڑیاؤں کے ساتھ) جو رغبت ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر بھی یہ رغبت اور شوق تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مزاج وطبیعت کے مطابق ان کھلونوں پر کبھی کوئی اعتراض نہیں فرمایا اور ان کو ان کے ساتھ کھیلنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ نیز محلے کی

بچیاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کھیلا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، خصوصاً عید اور خوشی کے موقع پر، اور وہ آکر قومی گیت بھی گایا کرتی تھیں۔ [11]

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کے مزاج ومذاق کے مطابق تفریح کی اشیاء بیوی کی دلجوئی اور دل داری کے لیے گھر میں رکھی جا سکتی ہیں بشرطیکہ شریعت میں ان کی اجازت ہو۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ بچیاں اپنے ہاتھوں سے کھیل کود کے طور پر کپڑے کی جو گڑیاں بناتی ہیں، وہ جائز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع نہیں فرمایا۔ البتہ آج کل جو مشینی گڑیاں (پلاسٹک وغیرہ کی) نکل آئی ہیں۔ جن میں سے بعض میں میوزک بھی لگا ہوتا ہے۔ نیز ان سے چھوٹے بچے کھیلتے ہی نہیں، بلکہ ان کو شوپیس کے طور پر شوکیسوں میں بطور سجاوٹ کے بھی رکھا جاتا ہے، ان کا جواز محل نظر ہے کیونکہ ہاتھ کی بنی ہوئی بے ہنگم سی گڑیا اور مشینی گڑیا، ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، اول الذکر کے جواز سے ثانی الذکر کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا، نہ ایک کو دوسرے پر قیاس ہی کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیاں ایسے گیت بھی گا سکتی ہیں جن میں آباء واجداد کی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ ہو۔ کم سن (صغیر السن) بیویوں میں کھیل کود کی جو رغبت ہوتی ہے، اس کا ایک اور واقعہ احادیث میں ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ذوق اور شوق کی کس طرح رعایت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

'' عید کا دن تھا، حبشی مسجد نبوی میں (ایک جنگی تکہ بازی (کھیل، کرتب) اور نیزہ بازی کر رہے تھے، آپ نے مجھ سے پوچھا: تو اس کھیل کو دیکھنا پسند کرتی

ہے؟"میں نے کہا: ہاں۔ پس آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا (کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیچھے سے کاندھوں پر اٹھایا ہوا تھا) اور آپ کرتب بازوں کو فرماتے تھے۔
'دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ'
' 'شاباش، اے بنو ارفدہ (یہ حبشیوں کا لقب ہے)۔"
(دُونَكُمْ کلمۂ ترغیب ہے، یعنی آپ ان کو ہلاشیری دیتے تھے کہ کھیلو، خوب کھیلو)۔
یہاں تک کہ جب میں تھک گئی، تو پوچھا: "بس" میں نے کہا: ہاں۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کہ جب تک میں خود نہیں تھک گئی آپ نے مجھے اپنی چادر سے پردہ کیے ہوئے اپنے کاندھے پر اٹھائے رکھا اور اپنے کھیل کو دیکھنے کے شوق پر اس طرح تبصرہ فرمایا:
'فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ'[12]صحيح البخاري، حديث: 5236,950,454
' 'تم اس نو عمر لڑکی کا اندازہ کرو جو کھیل کو دیکھنے کی اتنی شوقین ہے۔"
اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بیوی کم سن ہو تو خاوند کو خاص طور پر اس کی دل داری اور دل جوئی کا اور اس کی دلچسپی کے سامان کا اہتمام کرنا چاہیے۔
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کے ایسے کھیل، جن کا جواز شریعت نے تسلیم کیا ہے، ان کا دیکھنا عورتوں کے کے لیے جائز ہے، بشرطیکہ پردے کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔
آج کل کرکٹ، ہاکی وغیرہ، جن کے بڑے بڑے میچ اور مقابلے ہوتے ہیں اور پوری قوم کو ان کو دیکھنے کا بخار چڑھا ہوتا اور ان کے نتیجے کا نہایت بے چینی سے انتظار ہوتا ہے، یہ کھیل سراسر ناجائز ہیں جن میں بے پناہ قومی وسائل ضائع کیے جاتے ہیں اور

وقت کا ضیاع الگ۔ ان کا نہ کھیلنا جائز ہے اور نہ دیکھنا، سننا۔ نہ مردوں کے لیے اور نہ عورتوں بچوں کے لیے۔

اسلام میں صرف وہ کھیل جائز ہیں جن میں جنگی تربیت کا سامان ہو، جیسے گھوڑوں کا مقابلہ، نیزہ بازی، وغیرہ۔ انھی کھیلوں میں ایک کھیل بیوی کے ساتھ ملاعبت ہے یعنی اس کے ساتھ دل لگی اور پر لطف ہنسی مذاق، جس سے معاشرتی زندگی میں حسن اور خوش گواری پیدا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زبان مبارک سے اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت کی تمثیل

صحیح بخاری میں گیارہ عورتوں کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ وہ ایک جگہ جمع تھیں، انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: ہر عورت اپنے اپنے خاوند کی صحیح صحیح تفصیل بیان کرے کہ وہ اخلاق و کردار کا کیسا ہے اور بیوی کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟ تو ہر عورت نے اپنے اپنے خاوند کی بابت نہایت اختصار سے تفصیل بیان کی، ان میں ایک عورت ام زرع تھی، اس نے اپنے خاوند ابو زرع کی بابت جو وضاحت کی اس میں اس کے خاوند اور اس کے بچوں وغیرہ کا کردار سب سے بہتر تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی تفصیلات سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

'كُنْتُ لكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ'[13]صحيح البخاري، حديث:5189

' "میں تیرے لیے ایسا خاوند ہوں جیسے ابو زرع ام زرع کے لیے تھا۔"

بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ نہ کرے

عورت خلقی اور جسمانی اعتبار سے مرد سے کمزور ہے، اسی لیے اسے صنف نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک مرتبہ قواریر (آبگینے) قرار دیا ہے۔ آبگینہ (شیشہ) بھی نہایت نازک ہوتا ہے۔ [14]

مرد اس کے مقابلے میں قوی الجثہ بھی ہے اور زیادہ ذہنی ودماغی صلاحیتوں کا حامل بھی۔ اسی لیے گھر کی قوامیت (حاکمیت) اسی کو عطا کی گئی ہے کیونکہ حاکمیت کے لیے قوت وطاقت بھی ضروری ہے اور ذہنی ودماغی صلاحیتوں کی فراوانی بھی۔ لیکن اس طاقت کا مطلب، کمزوروں پر دست درازی کرنا نہیں ہے بلکہ صبر وضبط کا مظاہرہ اور رحم وکرم کا معاملہ کرنا ہے۔

مردوں کی ایک معتد بہ تعداد اپنی اس خداداد طاقت کا غلط استعمال کرتی اور عورتوں پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرتی ہے حالانکہ ظلم وزیادتی کا ارتکاب حسن معاشرت کے منافی ہے جب کہ حکم بیوی کے ساتھ حسن معاشرت (اچھا سلوک کرنے) کا ہے۔

ظلم کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

اس کے نان ونفقہ، یعنی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں کوتاہی کرنا۔

اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے عورت پر ناروا پابندیاں لگانا، جیسے تو اپنے میکے نہیں جا سکتی، فلاں سے میل ملاپ نہیں رکھ سکتی، اس طرح کی دیگر پابندیاں جن کا شرعاً جواز نہ ہو۔

لڑکیوں کی مسلسل پیدائش پر، جس میں مرد کی طرح وہ بھی بے اختیار ہے، طلاق کی دھمکی دینا، یا اس کو اچھا نہ سمجھنا، اس کی بے عزتی کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ لڑکے یا لڑکیاں دینا، یہ مکمل طور پر اللہ کے اختیار میں ہے، کسی انسان کی خواہش یا کوشش کا اس میں دخل نہیں۔ اس کے باوجود صرف عورت ہی کو اس کا ذمے دار ٹھہرا کر اس کو طعن وتشنیع کا اور ظلم وزیادتی کا ہدف (نشانہ) بنانا حماقت بھی ہے اور ظلم کا ارتکاب بھی۔

ایک ظلم یہ بھی ہے کہ مرد بعض دفعہ ناراض ہو کر بیوی سے بول چال بند کر دیتا ہے، یا اس سے جنسی تعلق قائم نہیں کرتا، یا اس کے اور بعض حقوق ادا نہیں کرتا، یا

اس کی بابت قسم کھالیتا ہے۔ ظاہر بات ہے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے خاوند کی یہ بے رخی یا بائیکاٹ عورت کے لیے ناقابل برداشت ہے، شریعت اس ظلم کی کس طرح اجازت دے سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

سورہ البقرہ آیت نمبر 226 تا 227

"جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔]" 15[

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں قطع تعلقی کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین فرمادیا ہے، اور وہ چار مہینے ہے، اس کے اندر اندر وہ اپنا تعلق بحال کر لے ورنہ اس کے بعد اس کو طلاق دینی ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر حسب ذیل ہے:

"ایلاء" کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ یا دو مہینے (مثال کے طور پر) تعلق نہیں رکھوں گا۔ پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں۔ ہاں اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کے تعین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں یا پھر اسے طلاق دے دیں۔ (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت میں (تعلق قائم کرنے) میں اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے

کسی ایک بات کو اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ اس سے تعلق قائم کرے یا طلاق دے۔ تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔]"16]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں عورت کے ساتھ کسی بھی قسم کا بائیکاٹ کر کے اس کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ عورت پر ظلم ہے۔ اگر غصے یا ناراضی میں خاوند ایسی کوئی بات کر بیٹھے تو اس کو زیادہ طول نہ دے بلکہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے اپنا تعلق بحال کر لے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو ایک متعینہ مدت کے بعد بذریعۂ عدالت عورت کو اس ظلم سے نجات دلوائی جائے گی۔

ایک ظلم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں پر یہ کیا جاتا تھا کہ نہ ان کو صحیح طریقے سے آباد کیا جاتا تھا اور نہ طلاق دے کر ان کو آزاد کیا جاتا تھا، مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتا، اور جس عورت کو تنگ کرنا اور اس کی زندگی کو اجیرن بنائے رکھنا مقصود ہوتا تو وہ عمر بھر اسی طرح طلاق دے دے کر رجوع کرتا رہتا۔

اسلام نے اس ظلم کا سدباب کرنے کے لیے ایسی طلاق کی، جس کے بعد عدت کے اندر رجوع جائز ہے، تعداد مقرر فرما دی کہ وہ صرف دو مرتبہ ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠

البقرۃ:229

یعنی زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق دے کر (عدت کے اندر) رجوع کیا جا سکتا ہے، دو مرتبہ حق طلاق استعمال کرنے کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دی جائے گی تو رجوع اور صلح کا حق ختم، اور ہمیشہ کے لیے جدائی، حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔

دوسری نصیحت مسلمانوں کو یہ فرمائی گئی کہ طلاق دینے کے بعد اگر رجوع اور صلح کی ضرورت ہو (جس کا اللہ نے دو مرتبہ موقع عطا فرمایا ہے) تو اس رجوع کا

مقصد عورت کو تنگ کرنا، اس کو نقصان پہنچانا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنا نہ ہو بلکہ خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو آباد کرنا ہو۔

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا

البقرة231

''(طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے سے قبل اگر تم ان کو روکو یعنی صلح کر لو) تو تم ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم ان سے زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا اور تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ بناؤ''

کتنی سخت وعید ہے کہ ایسے مردوں کے لیے جو طلاق دے کر رجوع تو کر لیں لیکن بیوی کے حقوق ادا نہ کریں اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رویہ جاری رکھیں۔ یہ ان کا اپنے نفس پر بھی ظلم ہے (کہ اس کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں)۔ اور اللہ کے احکام کے ساتھ استہزاء و مذاق بھی ہے اور اس پر بھی وہ اللہ کی سزا کے مستوجب قرار پا سکتے ہیں۔

عدل و انصاف کی تاکید

حسن معاشرت کے تقاضے عدل و انصاف کے اہتمام کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی دو موقعوں پر خاص طور پر بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک جب کہ مشترکہ خاندان (جوائنٹ فیملی سسٹم) میں رہائش ہو۔ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دوسرے بہن بھائی، ان کی اولاد اور والدین سب ایک ہی مکان میں رہتے ہوں۔ وہاں بہن بھائیوں اور والدین کے حقوق کے ساتھ اپنی بیوی کا حق اس طرح ادا کرنا کہ نہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہو اور نہ بہن بھائیوں اور والدین کو یہ شکایت ہو کہ ان کے حقوق میں کوتاہی ہو رہی ہے۔

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَبْتَ أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ‘[17]سنن أبي داود، حديث:2124

’ ’جب تو کھائے، اسے کھلا، جب تو پہنے اسے پہنا، اس کے چہرے پر نہ مار، اسے برا بھلا نہ کہہ اور اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کر۔“

اس حدیث پر صحیح معنوں میں عمل کرنا ہے، چاہے میاں بیوی علیحدہ ایک مکان میں رہتے ہوں یا مشترکہ خاندان کی صورت میں ایک مکان میں۔ دونوں صورتوں میں سب کے حقوق کے ساتھ بیوی کے ساتھ بھی حسن سلوک کے تقاضے مکمل طور پر ادا کرے۔

ہمارے معاشرے میں فیملی جوائنٹ سسٹم میں بھاوج نندوں اور ساس بہو کا مسئلہ بڑا
گھمبیر ہے لیکن اگر بیوی سُگھڑ یعنی سلیقہ مند ہو اور وہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کے اصول کو اپنائے رکھے، اسی طرح گھر کے بڑے بھی بہو کو بیٹی والا پیار اور شفقت دیں، نندیں اس کو اپنی بہن والی حیثیت دیں۔ نیز خاوند بھی نہایت سوجھ بوجھ اور حکمت عملی کے ساتھ سب کو اپنے اپنے مقام پر رکھتے ہوئے سب کے حقوق کا خیال رکھے، نہ بڑوں کے کہنے پر بیوی کے حقوق میں کوتاہی کرے اور نہ بیوی کی محبت میں والدین کے ادب واحترام یا ان کے حقوق میں کوتاہی کرے، تو وہ گھر روایتی جھگڑوں سے محفوظ اور جنت نظیر بن جاتا ہے اور ایسا تب ہی ہوتا ہے جب خاوند سمیت چھوٹے بڑے سب حسن معاشرت (اچھے رویے) کا اہتمام کریں۔

دوسرا اہم موقع عدل وانصاف کرنے کا وہ ہے جب ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، دو ہوں یا تین یا چار۔ ایسی صورت میں خاوند کے لیے عدل وانصاف کرنا پل صراط سے گزرنے کی طرح نہایت مشکل ہوتا ہے۔

لیکن شریعت نے جہاں کسی معقول ضرورت کی وجہ سے ایک سے زیادہ چار بیویوں تک کی اجازت دی ہے (نہ کہ حکم) وہاں دوسری طرف ان کے

درمیان عدل وانصاف اور مساوات کا بھی بڑی سختی کے ساتھ حکم دیا ہے، بصورت دیگر ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾

النساء3

’’اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کے ساتھ گزارو کرو۔‘‘

گویا ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت مشروط ہے عدل وانصاف کے ساتھ۔ اگر یہ شرط پوری نہیں کر سکتے تو دوسری عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ظاہر بات ہے کہ فطری طور پر خاوند کا دلی میلان کسی ایک کی طرف زیادہ ہوگا، یہ دل کا معاملہ ہے جس پر کسی کا اختیار نہیں ہے، لیکن کسی ایک بیوی کی محبت کا دل میں زیادہ ہونا یہ قابل گرفت ہے نہ عدل کے خلاف، بشرطیکہ یہ زیادہ محبت اس کو عدل وانصاف کے تقاضوں سے نہ روکے۔

عدل وانصاف اور مساوات کے حکم کی رو سے خاوند تمام بیویوں کے ساتھ لباس، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میں ان کے درمیان امتیاز نہیں کرتا، سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا اور سب کو ایک سی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کی ادائیگی میں بھی مساوات کا اہتمام کرتا ہے۔ سب کے پاس باری باری جاتا ہے، کسی کی باری پر اس کو محروم کرکے دوسری کے پاس نہیں جاتا۔ اس کے اس ظاہری انصاف سے عدل ومساوات کے وہ تقاضے یقیناً پورے ہوجاتے ہیں۔ جو شرعاً مطلوب ہیں،

چاہے اس کے دل میں کسی ایک بیوی کی محبت زیادہ ہی ہو۔ لیکن محبت کی اس زیادتی نے اس کو دوسری بیوی یا بیویوں کی حق تلفی پر مجبور نہیں کیا تو پھر یہ زیادتیٔ محبت عند اللہ مذموم نہیں ہوگی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے اور دل میں سب بیویوں کی محبت یکساں نہیں ہو سکتی، تو جو چیز انسان کے اختیار سے باہر ہو، اس پر عند اللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ پیار تھا، اس لئے آپ نے اگرچہ باریاں بھی مقرر فرما رکھی تھیں (جس کی آپ پوری پابندی فرماتے تھے۔) اور عدل کا بھی پورا اہتمام فرماتے تھے: لیکن چونکہ دل میں محبت ایک بیوی کی زیادہ تھی، اس لیے

آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

'اَللّٰھُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ' [18]

''یا اللہ! جن چیزوں میں میرا اختیار ہے، ان میں میں نے یہ باریاں مقرر کر رکھی ہیں۔ پس تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس پر تیرا ہی اختیار ہے، میں اس میں بے اختیار ہوں۔''

زیادہ بیویوں والے خاوند کے لیے خطرناک امر جو ہے، وہ یہ ہے کہ کسی ایک بیوی کی محبت، دوسری بیویوں کی حق تلفی کا باعث بن جائے اور وہ دوسری بیوی یا بیویوں کو معلقہ بنا کر رکھ دے، نہ ان کو طلاق دے کر آزاد کرے اور نہ ان کے حقوق ادا کرے۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی زیادہ بیویاں رکھنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے:

[وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ] [النساء129]

''اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، لہٰذا تم کسی ایک ہی کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو۔''

بہر حال عورت کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ ایک بیوی ہو تب بھی، ایک سے زیادہ ہو تب بھی۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ایک بہت بڑی آزمائش ہے، بہتر ہے آدمی اس آزمائش میں نہ پڑے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دوسری بیوی ناگزیر ہو تو اس رخصت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ لیکن اس شرعی رخصت سے صرف دنیوی فائدہ ہی نہ اٹھائے، آخرت کی بازپرس کا بھی خیال رکھے جہاں وہی
شخص سرخ رو ہو گا جو عدل وانصاف کا اہتمام کرنے والا ہو گا۔

خانگی امور میں تعاون

حسن معاشرت کا ایک پہلو یہ بھی کہ مرد حسب ضرورت گھریلو امور میں بھی عورت کا ہاتھ بٹائے اور اس باہمی تعاون کو اپنے مردانہ وقار اور شان کے خلاف نہ سمجھے۔ اس سے بھی ازدواجی زندگی میں خوش گواری آئے گی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسود رحمہ اللہ نے پوچھا:
’مَا كَانَ النَّبِيّ صلی اللہ علیہ وسلم يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟‘
’ ’نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
’كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ‘[19]
’ ’آپ گھر والوں کی خدمت میں (گھریلو امور میں تعاون) کیا کرتے تھے۔ (اس دوران میں) اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں شمائل ترمذی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے، یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

’مَا كَانَ إِلَّا بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ، يَفْلِي ثَوْبَهُ، وَيَحْلِبُ شَاتَهُ، وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ‘ وَلِأَحْمَدُ وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ’يَخِيطُ ثَوْبَهُ، وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ] ‘ 20[

’’آپ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے، اپنے کپڑوں سے جوئیں خود ہی دیکھ لیتے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنا کام خود کر لیتے، اپنا کپڑا سی لیتے اور اپنی جوتی بھی گانٹھ لیتے تھے۔“

یعنی ہر کام اہلیہ ہی کے سپرد نہ کرتے، بلکہ چھوٹے موٹے کام خود بھی کر لیتے اور اس کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھتے، جیسے آج کل کے مردوں کا شیوہ ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے پیغمبر اتنی عظمت و شان کے باوجود بہت سے گھریلو امور خود ہی انجام دے لیا کرتے تھے اور اس میں کسر شان نہیں سمجھتے تھے، تو آپ کے مقابلے میں ہماری کیا حیثیت ہے؟ اس اسوۂ رسول کو اپنانے میں، جس میں معاشرتی زندگی کا حسن پیدا ہوتا ہے، ہم کیوں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں؟

محبت کا بھرپور اظہار

حسن معاشرت کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ جس طرح عورت کو یہ تاکیدی حکم ہے کہ مرد اس کو جب بھی اپنے پاس (خلوت میں) بلائے، وہ جس حالت میں بھی ہو، اس کی تعمیل کرے تاکہ مرد ادھر ادھر منہ نہ مارتا پھرے۔ اسی طرح مرد کی بھی ذمے داری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ بھرپور محبت کا اظہار کرے۔ عورت کے اندر فطری طور پر شرم و حیا کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، سوائے چند شہوت زدہ عورتوں کے۔ اس لیے وہ جنسی جذبات کی تسکین کے لیے بہت کم مرد کے سامنے پہل کرتی ہے۔ عموماً مرد ہی پہل کرتا اور اس کو اس کام کے لیے بلاتا اور آمادہ کرتا ہے۔

اس لیے مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ از خود بھرپور محبت کا اظہار کرے تاکہ اس کے اندر کوئی تشنگی نہ رہے اور وہ کسی اور کی طرف دیکھنے پر مجبور نہ ہو۔ اس کے لیے اس کو دو طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

(1) اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کے ذریعے سے اس کی دلجوئی و دل داری کا اہتمام کرتا رہے (جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع ملتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرتے، ان کو حبشیوں کے جنگی کرتب دکھا کر ان کی تفریح طبع کا سامان کرتے، ان کو گڑیوں اور چھوٹی بچیوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع فراہم کرتے، وغیرہ وغیرہ)۔

اسی لیے ایک حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

’لَيْسَ مِنَ اللَّهْوِ إِلَّا ثَلَاثٌ، تَادِيبُ الرَّجُلِ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَتُهُ أَهْلَهُ وَرَمْيُهُ بِقَوْسِهِ]‘21[

’ ’کھیل تین ہی ہیں۔ انسان کا اپنے گھوڑے کو سدھانا (جنگ کے لیے تیار کرنا) دوسرا، اس کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، (ہنسی مذاق اور دل لگی کرنا) تیسرا، اس کا اپنے تیر کمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا۔“

ان میں سے دو کھیلوں کا تعلق تو جنگی تیاریوں سے ہے جس سے مقصود مسلمانوں کو ہمہ وقت جہاد کے لیے تیار رکھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے بامقصد کھیلوں کے علاوہ دوسرے تمام کھیل ناجائز ہیں کیونکہ ان میں وقت کا بھی ضیاع ہے اور وسائل کا بھی ضیاع۔ البتہ ان کے علاوہ بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کو بھی ایک جائز کھیل تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ اس کا بھی ایک نہایت اہم فائدہ ہے اور وہ ہے گھریلو زندگی کا خوش گوار ہونا، اس لیے شریعت نے اس کی بھی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثَیِّبہ (شوہر دیدہ عورت، مطلقہ یا بیوہ) کے مقابلے میں کنواری عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی وجہ بھی یہ بیان فرمائی

ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلیں یعنی آپس میں دل لگی کریں اور ایک دوسرے سے وابستگی کا بھرپور اظہار کریں۔ ایک بیوہ کے ساتھ مرد اس

طرح وابستگی کا اظہار نہیں کر سکتا جس طرح کنواری کے ساتھ کرتا ہے اور خود بیوہ بھی مرد کو اس طرح ٹوٹ کر نہیں چاہتی جیسے کنواری عورت سے متوقع ہوتا ہے۔

(1)دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عملی طور پر از خود بیوی سے اظہار محبت مختلف پیرایوں سے کرتا رہے، اس کا انتظار نہ کرے کہ بیوی کی طرف سے اظہار ہو۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ وضو کی حالت میں بھی اپنی اہلیہ محترمہ کا بوسہ لے لیا کرتے تھے اور پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے، حتی کہ روزے کی حالت میں بھی بوسہ لے لیتے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کو اپنے جذبات پر پورا کنٹرول حاصل تھا، یعنی آپ نے دوسروں کو متنبہ فرمایا کہ بلاشبہ روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کی اجازت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا ثابت ہے، لیکن یہ عمل نوجوانوں کے لیے اور ایسے لوگوں کے لیے جن کو اپنے جذبات پر پورا کنٹرول نہ ہو، خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور وہ جذبات کی رو میں بوسے کی حد سے تجاوز کر کے وہ کام کر بیٹھیں جس کا کفارہ دو مہینے کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

تاہم عام حالات میں عام لوگوں کے لیے روزے کی حالت کے علاوہ دیگر حالات اور اوقات میں اظہار محبت اور تعلق خصوصی کے لیے مواقع موجود ہیں، خود رمضان میں بھی رات کو ان تمام باتوں کی اجازت ہے جن کا تعلق میاں بیوی کی خلوت سے ہے۔ غالباً اسی لیے شریعت میں یہ بھی اجازت ہے کہ حالتِ جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ پھر نمازِ فجر کے لیے غسل کرنا ضروری ہے اور اس پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ یہ رخصت اسی لیے ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں تعلقات زن و شوہر قائم کرنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ عبادت میں بھی ایسا غلو(زیادتی)ناپسندیدہ ہے جس سے عورت کی حق تلفی ہو اور وہ مقصد پورا نہ ہو جس کے لیے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، عورت ساری رات خاوند کی منتظر رہے اور میاں صاحب ساری رات نوافل اور عبادت میں گزار دیا کریں۔ حتی کہ عورت دن کے اوقات میں اس بات کی خواہش مند ہو لیکن عابد وزاہد خاوند کا دن بھی نفلی روزے میں گزرے اور وہ اس کو مستقل معمول بنالے اور عورت کو گل دستۂ طاقِ نسیاں بنادے۔ اسلام میں ایسے زہد اور عبادت کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ ہے کہ وہ زیادہ عبادت وزہد کے اسی شوق میں بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان کو بلا کر پوچھا: کیا تم رات کو قیام کرتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو، کیا بات ایسے ہی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس طرح مت کرو، روزہ بھی رکھو اور روزہ چھوڑ بھی دیا کرو۔ رات کو قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ اس لیے کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔" [22]

بہر حال حسن معاشرت کا ایک نہایت اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ عورت کو دیگر آسائشیں اور راحتیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کی جنسی آسودگی کا بھی مکمل اہتمام ہو۔ حتی کہ اگر آدمی اس میں کمزوری محسوس کرے تو اس کے لیے ڈاکٹر یا حکیم کے مشورے سے مقویات بھی استعمال کرتا رہے تاکہ عورت کو اس معاملے میں بھی تشنگی اور ناآسودگی کا احساس نہ ہو۔

عورت ہر حیثیت سے قابل احترام ہے

عورت کے ساتھ حسن معاشرت (اچھا برتاؤ کرنے) میں ان تصورات کو سامنے رکھا جائے اور ان کے مقتضیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اسلام نے

عورت کی عزت ووقار کی بحالی کے لیے بیان کیے ہیں، تو ایک انسان عورت کے ساتھ بے رحمانہ، ظالمانہ اور سنگ دلانہ سلوک کا نہ تصور کر سکتا ہے اور نہ اس کو محض لذت اندوزی کا سامان سمجھ کر اسے اس کا اصل مقام دینے سے گریز کر سکتا ہے۔

اسلام میں عورت کی صرف چار حیثیتیں ہیں، وہ ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے اور بیوی ہے۔ ان میں سے ہر حیثیت سے وہ نہایت قابل احترام ہے۔

ماں ہے تو باپ سے بھی زیادہ قابل احترام ہے اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے اس سوال پر کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي، آپ نے فرمایا: "تمہاری ماں۔" اس نے سوال کیا، اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری ماں" اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری ماں" چوتھی مرتبہ سوال کرنے کے بعد فرمایا: "تمہارا باپ۔" [23]

ماں، باپ سے بھی زیادہ حسن سلوک کی مستحق کیوں ہے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کے مقابلے میں ماں کو تین مرتبہ سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق قرار دیا۔ اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ ماں کے زیادہ استحقاق کی تین وجوہ ہیں۔

(1) نو مہینے تک حمل کی تکلیف برداشت کرنا۔

(2) وضع حمل (زچگی، ڈلیوری) کے مرحلے سے گزرنا جو عورت کے لیے موت و حیات کا ایک نہایت سنگین مرحلہ ہوتا ہے۔

(3) پھر دو سال تک رضاعت (بچے کو دودھ پلانا) راتوں کو اس کے لیے اٹھنا اور اس کی ضروریات اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا جب کہ وہ بول کر اپنی حاجت اور تکلیف بیان نہیں کر سکتا۔

ان تینوں مراحل کی جاں گداز تکلیفوں میں مرد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، صرف ماں کا جذبۂ شفقت، جسے مامتا کہا جاتا ہے، اسے ان تکلیفوں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور وہ ہنسی خوشی ان ذمے داریوں کو ادا کرتی ہے۔

بیوی گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت ہے

اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر فطری طور پر ایسے اوصاف رکھے ہیں، جو مردوں سے مختلف ہیں، ان اوصاف کی وجہ سے وہ مذکورہ تینوں مشقتیں برداشت کر لیتی ہے، مرد عورت سے زیادہ قوت وطاقت کا مالک ہے لیکن اس کے باوجود مذکورہ مشقتیں اس کے لیے ناقابل برداشت ہیں، اس لیے مرد کی سمجھ داری کا تقاضا ہے کہ وہ عورت کی ان مشقتوں پر ہمدردی سے غور کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو کبھی عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ نہیں کرے گا۔

وہ سمجھ لے گا کہ میری یہ بیوی میرے بچوں کی ماں ہے اور ماں ہونے کے ناطے سے وہ ان کی خاطر وہ وہ تکلیفیں برداشت کر لیتی ہے جو میں نہیں کر سکتا۔ مزید برآں وہ میری خدمت گزار، میرے گھر کی محافظ، میری خواہشات کے خاکوں میں رنگ بھرنے والی اور مجھے سکون وراحت بہم پہنچانے والی ہے، میرے گھر کی ملکہ اور میرے گھر کی زینت ہے۔ اگر یہ میرے گھر سے نکل جائے تو گھر امن وسکون کا گہوارہ، مہر ومحبت کا مرکز اور عزت ووقار کا سنگم نہیں رہے گا بلکہ ایک بے آب وگیاہ صحرا میں تبدیل ہو جائے گا جہاں کوئی روئیدگی، شادابی اور بہجت ونشاط کی فرحت انگیزیاں نہیں ہوں گی۔ ایک

جہنم کدے میں تبدیل ہو جائے گا جہاں زندگی کی رونق اور چہل پہل کے بجائے ویرانی اور جھلسا دینے والی باد سموم کا ڈیرہ ہو گا۔

عورت، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے

بہر حال یہ گفتگو تو عورت کے ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے تھی۔ لیکن جب وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوتی ہے تو وہ ان کی بیٹی اور بھائیوں کی بہن ہوتی ہے اور ان دونوں حیثیتوں میں بھی وہ محترم ہوتی ہے اور احادیث میں ان دونوں کے پالنے اور ان کی تربیت کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ بیٹی ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور دلوں کا دلارا ہوتی ہے، ماں باپ اسے شہزادیوں کی طرح ناز و نعمت سے پالتے اور اسے حسن تربیت سے آراستہ کرتے ہیں اور بہن کی حیثیت سے وہ بھائیوں کی مہر و محبت اور ہمدردیوں کا مرکز ہوتی ہے اور وہ اس کو ہر طرح کا آرام و سکون بہم پہنچانے میں والدین کے ہم دم و ہم راز ہوتے ہیں۔ بیوہ اور مطلقہ ہونے کی صورت میں بھی والدین یا بھائیوں کا گھر ہی اس کی مایوسیوں میں امیدوں کا مرکز اور تاریکیوں میں روشنی کا منبع ہوتا ہے۔

مغرب میں عورت کی ذلت و خواری

اس کے برعکس مغرب میں عورت گرل فرینڈ ہے یا کسی افسر کی سٹینو گرافر یا سیکرٹری، کسی دفتر کی کلرک ہے یا کسی کارخانے کی ورکر (مزدور) ریسپشن گرل (استقبال کرنے والی چھوکری ہے) یا ائیر ہوسٹس (فضائی میزبان، جہازوں کے مسافروں کی خدمت کرنے والی اور ان کے دلوں کو لبھانے والی) یا ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والی اور اپنے افسر ڈاکٹروں کی ناز برداری کرنے والی نرس۔ ہوٹلوں میں گاہکوں کو چائے اور شراب مہیا کرنے پر مامور اور ان کی نگاہ ہوس کا شکار بننے والی خادمہ۔ بلکہ بہت سے شراب خانوں میں ٹاپ لیس سروس پر مجبور، جس میں عورت کو اپنے جسم کا بالائی حصہ عریاں رکھنا پڑتا ہے تاکہ ان کی عریانی سے مردوں کی ہوس کی تسکین ہو سکے۔

مغرب کی یہ عورت اول تو نکاح سے پہلے ہی مردوں سے جنسی تعلقات کے نتیجے میں بن بیاہی ماں بن جاتی ہے اور شادی کے بعد بھی یہ ڈانس کلبوں میں غیروں کی باہوں میں جھومتی اور جھولتی ہے۔ اس کو کبھی نہ گھر کی ملکہ کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اور نہ معاشرے میں وہ عزت و مقام جو اسلام نے عورت کو عطا کیا ہے۔ اس کے لیے ذلت ہی ذلت ہے اور قدم قدم پر مردوں کی غلامی و محکومی، ایک شوہر کی غلامی، جس میں اس کا مکمل احترام ہے، اس کو قید لگتی ہے اور بے شمار ہوس زدہ مردوں کی غلامی، جس میں ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں، آزادی۔ یہ ہے وہ آزادئ نسواں جس کا مغرب علم بردار ہے۔

اسلام نے عورت کو ان تمام ذلتوں سے بچا کر مرد کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ اگر وہ

ماں ہے تو اس کی باپ سے بھی زیادہ خدمت کرو، بیٹی ہے تو ناز و نعمت سے اس کی پرورش کرو اور اس کی آرزوں اور خواہشوں کے مطابق اس کا جیون ساتھی تلاش کرکے اس کے ساتھ اس کا نکاح کر دو۔ بہن ہے تو اس کے ساتھ بھی بیٹیوں کی طرح حسن سلوک کرو اور بیوی ہے تو اس کو گھر کی ملکہ بنا کر رکھو اور اس کی تمام ضروریات گھر بیٹھے پوری کرو اور اس کے آرام و راحت کا ہر سامان مہیا کرو۔ اس کو اپنی کسی بھی ضرورت کے پورا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل کر کسی دفتر، کارخانے یا فیکٹری میں کام کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کو اس کی شرعاً اجازت ہے۔ سوائے سخت مجبوری کے۔

عورت بھی بہ حیثیت انسان کے مرد کے برابر ہے

عورت کے بارے میں اسلام سے قبل عرب کے لوگ ہی جاہلی تصورات نہیں رکھتے تھے جس کی بنا پر عرب معاشرے میں عورت عزت

ووقار سے محروم تھی بلکہ عجم میں بھی عورت کی کوئی قدر ومنزلت نہیں تھی، اس کو پیروں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی، یا کہا جاتا تھا کہ اس کو مردوں کی غلامی اور چاکری کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا وہ شیطان کی ایک آلۂ کار ہے جس سے شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے کا کام لیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے ان تصورات کا خاتمہ کرکے اس کو عزت ووقار کا ایک نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمایا اور اس کو بہ حیثیت انسان ہونے کے اس کی بعض امتیازی چیزں سے قطع نظر مردوں کے مساوی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ] [البقرۃ 228]

''اور ان عورتوں کا (حق خاوندوں پر) اسی طرح ہے (جس طرح خاوندوں کا حق) ان عورتوں پر ہے اور ان مردوں کو ان پر کچھ فضیلت ہے۔''

یعنی بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت دونوں کے حقوق ایک جیسے ہیں جن کو پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں۔ نہ عورت، مرد کو انسانیت سے ماورا مقام کا حامل سمجھے کہ اس سے ایسے مطالبات کرے جن کا پورا کرنا انسانی طاقت سے بالا ہو اور نہ مرد عورت کو انسانی شرف وتکریم سے عاری مخلوق سمجھے کہ اس کے ساتھ جس طرح کا چاہے غیر انسانی سلوک کرکے اس کی عزت ووقار کو مجروح یا اس کے حقوق کو پامال کرے۔ دونوں کو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے ہیں جو شریعت نے بتلائے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو ملحوظ رکھا جائے کہ گھر کا نظام چلانے کے لیے مرد وعورت میں سے مرد کو قوّام وحاکم اور عورت کو محکوم بنایا گیا ہے کیونکہ دونوں کو یکساں طور پر اگر حاکمیت کا حق دیا جاتا تو گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا تھا، جیسے ایک ملک میں ایک کے بجائے دو حکمران مساوی طور پر بااختیار ہوں تو نظم مملکت قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نظم ایک

ہی بااختیار حکمران کے ذریعے ہی قائم رہ سکتا ہے۔اسی قوّامیت میں یہ بھی شامل ہے کہ مرد فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں اور حقِ طلاق ورجوع (وغیرہ) میں عورت سے ممتاز ہے۔یہی ایک گونہ وہ فضیلت ہے جو اللہ نے مرد کو عطا کی ہے جس کو قرآن کریم میں وللرجال علیھن درجۃ میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ ایک گونہ فضیلت یا امتیاز چونکہ ناگزیر تھا اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

[وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا‌ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ‌ؕ وَسۡـئَلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ][النساء32]

’’اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔‘‘

اس آیت کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [24]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت وطاقت اپنی حکمت وارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح ان کا

پورا پورا صلہ انھیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان، استعداد صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا، البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

]25[

مرد کے بعض صلاحیتوں اور خصوصیات میں ممتاز ہونے کی حکمتیں

مرد اور عورت کے درمیان جو چند امتیازی چیزیں ہیں، اس کی ایک وجہ تو فطری صلاحیتوں کا وہ فرق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان رکھا ہے جسے دنیا کی کوئی

طاقت ختم نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی وجہ وہ تخلیقی مقاصد ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں جن کی بنیاد پر عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے اور مرد کا دائرۂ کار گھر سے باہر (بیرونِ دَر) کے امور ہیں۔ جن میں امور جہاں بانی، جہاد اور کسب معاش وغیرہ ہیں، عورت ان تمام ذمے داریوں سے سبکدوش ہے۔ اسی میں عورت کی عزت بھی ہے اور اس کی عصمت و تقدس کا تحفظ بھی۔

عورت کو وراثت میں حصے دار بنانا، اس میں بھی عورت کی عزت و احترام کی بحالی ہے جس سے عورت اسلام سے قبل محروم تھی، ورنہ عورت کی جو ذمے داریاں ہیں، ان میں اس کو بالعموم مال کی ضرورت نہیں ہوتی، مال کی زیادہ ضرورت مرد ہی کو رہتی ہے، اسی نے کاروبار کرنا ہے، عورت کی معاشی کفالت اسی نے کرنی ہے، حق مہر بھی اسی نے ادا کرنا ہے، ولیمہ بھی کرنا اور دیگر شادی کے اخراجات ہیں جو مرد ہی نے برداشت کرنے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ذمے داری عورت پر نہیں ہے۔ اس لیے اس کو وراثت میں مرد کے دوگنا کے مقابلے میں ایک گنا حصے دار قرار

دینا، اس کی عزت واحترام ہی کے پیش نظر ہے ورنہ اس کو مال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

مرد کو طلاق ورجوع کا حق دینے میں بھی بڑی حکمت ہے اور وہ ہے گھر کو بربادی سے بچانا، عورت مرد کے مقابلے میں کم حوصلہ بھی ہے اور جذباتی بھی۔ اگر اس کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو اختلاف ونزاع کی صورت میں وہ فوراً طلاق دے کر اپنے پیروں پر کلھاڑی مار لیا کرتی اور خانماں برباد ہو جایا کرتی۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ حوصلہ وہمت سے نوازا ہے اس لیے وہ زیادہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا اور گھر بربادی سے محفوظ رہتا ہے۔ اگرچہ بعض مرد جہالت اور بے شعوری کی وجہ سے صبر وتحمل کے بجائے عجلت اور عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوری طور پر طلاق دے دیتے ہیں اور پھر بعد میں پچھتاتے ہیں لیکن اگر عورت کو بھی حق طلاق مل جاتا تو پھر طلاق کی شرح کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عورت کو مارنے کی رخصت اور اس کی حکمت اور مطلب

جس طرح بعض مرد جہالت کی وجہ سے عورت کے حقوق صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے، تو اس میں اسلام کا تو کوئی قصور نہیں، ان مردوں کا قصور ہے جو اسلام کے عطا کردہ بعض مردانہ امتیازی حقوق کا، جو نہایت حکمت پر مبنی ہیں، غلط استعمال کرتے اور اسلام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، انھی میں سے یہ طلاق کا بھی حق ہے جسے بعض مرد نہایت غلط طریقے سے استعمال کرتے اور اپنا گھر اجاڑ لیتے ہیں جس کا خمیازہ عورت کے علاوہ ان کو بھی بھگتنا پڑتا ہے، بچے ہوں تو ان کو بھی۔

یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نشوز (عورت کی نافرمانی، سرکشی) کی صورت میں مرد کو اس کو سمجھانے کے لیے وعظ ونصیحت کرنے، اس سے بستر سے علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو مارنے کی بھی اجازت ہے۔

[وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ][النسآء 34]

"اور جن بیویوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں) تو خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو (پھر بھی نہ سمجھیں تو) انہیں مارو۔"

تو یہ حق بھی گھر کے نظم کو برقرار رکھنے کے لیے ہے کیونکہ گھر کا قوّام (حاکم) مرد ہی ہے جس طرح کسی ملک یا علاقے کے قوّام (سربراہ یا حاکم مجاز) کو ملک یا علاقے کا نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے، دارو گیر سے کام لینا پڑتا ہے اور سرکشوں کے سرِ پُر غرور کو کچلنے کے لیے ان کو زدو کوب بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مرد کو بھی عورت کو راہ راست پر رکھنے کے لیے آخری چارۂ کار کے طور پر زدو کوب کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے تاکہ گھر میں مرد کی قوامیت (حاکمیت) بھی برقرار رہے اور گھر کا نظم و نسق بھی انتشار سے محفوظ رہے۔

لیکن مارنے کا یہ حق غیر محدود نہیں ہے لیکن چونکہ ناگریز حالات میں بطور علاج اس کی اجازت ہے اس لیے یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو، بلکہ علاج کی حد تک ہلکی مار ہو جس سے اس کو شدید چوٹ نہ آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا:

وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ. فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ [26]

"تمھارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر ایسے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جس سے ان کو زیادہ چوٹ نہ آئے۔"

ایسی مار جو بطور علاج ہو اور جس میں وحشیانہ پن نہ ہو، تو چونکہ اس کی اجازت ہے اس لیے اس پر قیامت کے دن باز پرس بھی نہیں ہو گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ اِمْرَأَتَهُ [27]

"آدمی سے اپنی عورت (بیوی) کے مارنے پر باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللهِ'

''اللہ کی باندیوں کو مت مارا کرو۔''

چنانچہ صحابۂ کرام بڑے محتاط ہوگئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاوندوں کے مقابلے میں ان کی جارتیں بڑھ گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نتیجے سے آگاہ فرمایا تو آپ نے ان کو مارنے کی رخصت عنایت فرمادی۔ بعض صحابہ نے اس رخصت کا غلط استعمال کیا تو بہت سی عورتوں نے آکر ازواج مطہرات کے پاس ان کی شکایتیں کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ'[28]

''آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بہت سی عورتوں نے آکر اپنے خاوندوں کی شکایت کی ہے، یہ لوگ تم میں بہتر نہیں ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ رخصت بے رحمانہ طریقے سے مارنے کی نہیں ہے اور جو ایسا کرے گا وہ بہتر لوگوں میں شمار نہیں ہوگا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت کی بڑے حکیمانہ انداز میں وضاحت فرمائی:

'لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ'

''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے، (کیونکہ یہ عجیب بات ہوگی کہ اس طرح مارنے کے بعد) پھر دن کے آخر میں اس سے ہم بستری کرے گا۔''

اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے:

'بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ'

''اس بات کا بیان کہ عورتوں کو مارنا ناپسندیدہ (مکروہ) ہے۔''

اور قرآن کریم میں مارنے کی رخصت (واضربوھن) کی تفسیر ان الفاظ میں

فرمائی ہے:{غَيْرَ مُبَرِّحٍ} ایسی مار جس سے شدید چوٹ نہ آئے۔]"[29]

اور یہی وہ تفسیر ہے جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث گزری ہے۔

بہر حال مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ ہلکی مار مارنے کی اجازت ایک خاص حکمت کے تحت دی گئی ہے کہ بعض عورتوں کے لیے بعض دفعہ یہ علاج مؤثر ہوتا ہے لیکن جو لوگ حقِّ طلاق کی طرح اس کو بھی غلط استعمال کرتے ہیں تو یہ سخت ناپسندیدہ ہے اور ایسے لوگ اسلام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ بہتر بھی نہیں ہیں اور عقل ودانش سے بھی بے بہرہ ہیں کہ مارتے بھی ہیں اور پھر اسی سے اپنی خواہش بھی پوری کرتے ہیں۔

عورت کو منحوس سمجھنا غلط ہے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ عورت کو منحوس نہ سمجھا جائے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب عورت نئی نویلی دلہن کی صورت میں آتی ہے تو چونکہ وہ یکسر ایک نئے ماحول میں آتی ہے، دولہا سمیت اس گھر کے سارے افراد اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں، اس کو اس نئے ماحول سے مانوس ہونے میں اور دولہا اور اس کے گھر والوں کے مزاجوں کو سمجھنے میں کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح دلھن بھی تمام افراد خانہ کے لیے اجنبی ہوتی ہے، اس کی خوبیاں (یا برائیاں) ظاہر ہونے میں بھی وقت لگتا ہے۔ چند ایام یا چند ہفتوں میں ایک دوسرے کی بابت اچھا یا برا ہونے کا نہ صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے اور نہ فیصلہ ہی۔

لیکن ہمارے معاشرے میں عجلت سے فیصلہ کرنے کا مرض عام ہے دلہن کے آنے کے بعد اگر اتفاقی طور پر کوئی حادثہ ہو جاتا ہے، یعنی کاروبار میں کچھ

نقصان ہوجاتا ہے یا کوئی اور ارضی وسماوی آفت آجاتی ہے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ نئی عورت جو ہمارے گھر میں آئی ہے، اس کی نحوست ہے اور پھر گھر کے سارے افراد اس کو منحوس باور کرلیتے ہیں۔

ظاہر بات ہے ایسا سمجھنا اور کہنا جہاں تقدیر الٰہی کے خلاف ہے جو کہ کمال ایمان کے منافی ہے، وہاں حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے۔ قدرتی حوادث وآفات کا باعث عورت کو قرار دینا، جب کہ اس میں اس کے ارادے یا عمل کا کوئی دخل نہیں، یکسر خلاف واقعہ اور ایک پاک دامن کو نحوست سے متّہم کرنا ہے اور جب اس کو منحوس سمجھ لیا جائے گا تو کون اسے اچھا سمجھے گا یا اس سے اچھا سلوک کرے گا؟

اس لیے حسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ اتفاقی حوادث وواقعات کی بنیاد پر عورت کو یا کسی بھی چیز کو منحوس سمجھنا بے بنیاد بات ہے۔

نحوست کے تصور کی بنیاد

دراصل یہ تصور ایک حدیث سے غلط فہمی کے طور پر مشہور ہوگیا ہے، وہ حدیث ہے:

'الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ، فِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ'

' 'نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔"

حالانکہ ایک دوسری حدیث سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

'إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ، فَفِي الدَّارِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالْفَرَسِ'[30]

' 'اگر کسی چیز میں نحوست ہو سکتی ہے تو وہ گھر ہے، اور عورت ہے، اور گھوڑا ہے۔

یہ دونوں روایات امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب النکاح کے باب ما یتقی من شوم المرأۃ وقولہ تعالیٰ [اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ] [التغابن 14] میں بیان کی ہیں۔ یعنی امام بخاری نے شوم المرأۃ (عورت کی نحوست سے بچنے) کا باب باندھا اور اس میں قرآنی آیت بھی ساتھ بیان کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ عورت کا منحوس ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ بعض عورتیں منحوس ہو سکتی ہیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

' 'تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہاری دشمن ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے مِن کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو تبعیض کے لیے بھی آتا ہے۔ یعنی ساری بیویاں یا ساری اولاد دشمن نہیں ہے بلکہ بعض ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرماں بردار اور خیر خواہ ہو، وہ ماں باپ کی دشمن نہیں ہے، صرف وہ اولاد دشمن ہے جو نافرمان اور گستاخ ہو۔ اور اللہ کا یہ فرمان واقعات کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح وہ بیوی بھی جو فالصالحات قانتات حافظات للغیب کی مصداق ہو، وہ خاوند کی دشمن نہیں بلکہ وفادار، اطاعت شعار اور خیر خواہ ہو گی۔ اور جو اولاد اور بیوی نیک اور صالح ہو گی، ان کی بابت نحوست کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

'مَاتَرَکْتُ بَعْدِی فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ' [31]

' 'میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہو۔"

اس حدیث سے بھی یہی نکتہ واضح ہوتا ہے کہ جو عورت فتنے کا باعث ہو، اس میں تو شر اور نحوست کا پہلو ہو سکتا ہے لیکن جو عورت ایسی نہ ہو بلکہ اس کے برعکس نیکی اور صالحیت کا پیکر ہو، تو اسے منحوس کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس

کی طرف کسی تقدیری امر کے ظہور کی وجہ سے شر اور نحوست کو منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسے حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ کہنا کفر ہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ یعنی بارش برسانے کے فعل کو اللہ کے بجائے ستارے کی طرف منسوب کرنا، یکسر غلط بلکہ کفریہ کلمہ ہے تو پھر مطلقاً عورت کو شر اور نحوست کا باعث قرار دینا کیوں کر صحیح ہے؟ جب کہ اس شر کے ظہور میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ایک تقدیری معاملہ ہے جس کا ظہور اس عورت کے نئے گھر میں آنے کے بعد ہوا ہے۔ اور قضا وقدر کے فیصلے کا اس کے ساتھ توافق ہو گیا ہے۔

عدم موافقت ہو سکتی ہے لیکن صرف اللہ کی مشیت سے

یہ تو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ بعض دفعہ انسان گھر خرید تا یا کرائے پر لیتا ہے، سواری کے لیے کوئی جانور، یا آج کل کے حساب سے کوئی گاڑی وغیرہ لیتا ہے، اسی طرح کسی عورت سے شادی کرتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں انسان کو راس نہیں آتیں، اس کو مسلسل نقصان اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو یہ تو اجازت ہے کہ عدم موافقت کی وجہ سے گھر چھوڑ کر، جانور یا گاڑی بیچ کر، بیوی کو طلاق دے کر وہ متبادل انتظام کرلے لیکن ان کا تعلق نحوست سے جوڑ کر بد اعتقادی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس کو قضا وقدر کا فیصلہ سمجھے۔ اس بارے میں بھی ایک حدیث سے ہمیں کافی رہنمائی ملتی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک گھر میں رہتے ہیں، وہاں گھر کے افراد بھی کافی ہوتے ہیں اور مال و دولت کی بھی فروانی ہوتی ہے، لیکن ہم گھر

بدل لیتے ہیں تو وہاں ہمارے افراد اور اموال میں کمی ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:
اس گھر کو اپنے حق میں برا سمجھتے ہوئے چھوڑ دو۔]“32]

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ کوئی بیماری متعدی بھی ہوتی ہے بلکہ اس عقیدے کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو کوئی بیماری نہیں لگ سکتی۔ اس کے باوجود ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ مجذوم (کوڑھی کے مریض) سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ نہیں کہ جذام کا مرض متعدی ہے بلکہ اس کی وجہ اعتقاد کی خرابی سے بچانا ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو مجذوم کے پاس بیٹھنے سے اگر جذام کی بیماری لاحق ہو گئی تو اس کی اصل وجہ تو اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہو گی لیکن اس شخص کے اندر عقیدے کی یہ خرابی پیدا ہو سکتی ہے کہ مجھے یہ بیماری اس مریض کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ اسلامی مسلّمات کے خلاف ہے اس لیے مسلمانوں کے عقیدوں کو محفوظ رکھنے کے لیے احتیاط کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس بد عقیدگی سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اسی طرح عدم موافقت کی صورت میں زیر بحث مذکورہ اشیاء کو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن اس ردوبدل میں ان کی نحوست کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کو قضا و قدر کا فیصلہ ہی سمجھا جائے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ زیر بحث حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یہ حدیث (لوگوں کی رائے کے برعکس) اس مفہوم کی تائید کرتی ہے کہ کسی چیز
میں نحوست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے معنی ہیں: ”اگر نحوست کسی بھی چیز میں ثابت ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ نحوست

کسی بھی چیز میں یکسر ثابت ہی نہیں ہے۔ اور بعض روایات میں جو الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ ”نحوست تین چیزوں میں ہے“ یہ بعض راویوں کا اختصار اور تصرف ہے (ورنہ اصل الفظ یہی ہیں کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی)۔]“33]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

’ ’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہوتی۔“ آپ نے یہ خبر نہیں دی کہ ان میں ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے: اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو ان میں ہوتی، یعنی اگر کسی چیز میں ہوتی تو ان میں ہوتی اور جب ان تینوں میں نہیں ہے تو کسی بھی چیز میں نہیں ہے۔]“34]

بعض احادیث اور آثار سے مذکورہ مفہوم کی تائید

ہمارے وضاحت کردہ نکتے کی تائید ذیل کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ، الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيئُ، وَأَرْبَعٌ مِنَ الشِّقَاءِ: اَلْجَارُ السُّوءُ وَالْمَرْأَةُ السُّوءُ، وَالْمَرْكَبُ السُّوءُ وَالْمَسْكَنُ الضَّيِّقُ]‘35]

’ ’چار چیزیں سعادت سے ہیں: نیک عورت، فراخ کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور اچھی سواری، اور چار چیزیں شقاوت (بد بختی) سے ہیں: برا پڑوسی، بری عورت، بری سواری، اور تنگ مکان۔“

یعنی مذکورہ چیزیں کسی کے لیے سعادت کا اور کسی کے لیے شقاوت کا ذریعہ ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور اس کے قضاوقدر کے تحت ہے۔

اسی لیے بعض شارحین نے حدیث شئوم کی شرح میں لکھا ہے، جیسے امام خطابی ہیں:

’اِنْ كَانَتْ لِأَحَدِكُمْ دَارٌ يَكْرَهُ سُكْنَاهَا أَوْ امْرَأَةٌ يَكْرَهُ صُحْبَتَهَا، أَوْ فَرَسٌ يَكْرَهُ سَيْرَهُ فَلْيُفَارِقْهُ]‘36]

' 'اگر کسی کا گھر ایسا ہے کہ اس میں رہائش اس کو ناپسند ہو، یا بیوی ایسی ہو کہ اس کے ساتھ گزارا مشکل ہو، یا گھوڑا ایسا ہو کہ اس پر سفر اس کو ناگوار ہو، تو وہ ان کو چھوڑ دے۔"

اور بعض نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے:

'إِنَّ شُؤْمَ الدَّارِ ضَيِّقُهَا وَسُوْءَ جَوَارِهَا، وَشُؤْمَ الْمَرْأَةِ أَنْ لَا تَلِدَ وَشُؤْمَ الْفَرَسِ اَنْ لَا يُغْزُ عَلَيْهِ]'37[

' 'گھر کی نحوست اس کا تنگ ہونا اور پڑوسی کا برا ہونا ہے، عورت کی نحوست اس کا بانجھ پن اور گھوڑے کی نحوست اس پر جہاد کرنے کا موقع نہ ملنا ہے۔"،

بعض آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے حضرت معمر (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی یہ تفسیر سنی ہے (بظاہر یہی ہے کہ کسی صحابی سے سنی ہو گی)۔

'شُؤْمُ الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ غَيْرَ وَلُودٍ، وَشُؤْمُ الْفَرَسِ إِذَا لَمْ يُغْزَ عَلَيْهِ وَشُؤْمُ الدَّارِ جَارُ السَّوْءِ]©'38[

' 'عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا ہے، گھوڑے کی نحوست اس پر بیٹھ کر جہاد نہ کرنا ہے اور گھر کی نحوست برے پڑوسی کا ہونا ہے۔"

بہر حال مطلقاً عورت یا کسی بھی چیز کی نحوست کا عقیدہ بے بنیاد اور تقدیر پر ایمان کے منافی ہے، اس لیے اس قسم کے تصورات سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

بیوی کو عار نہ دلائے

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت بد چلن یا مرد بدکردار ہوتا ہے لیکن ایسے جوڑے سے اللہ تعالیٰ اولاد صالح پیدا فرما دیتا ہے، اولاد میں ماں باپ کی وہ خرابیاں نہیں ہوتیں جو شریعت میں بھی ناپسندیدہ ہیں اور لوگوں کی نظروں میں بھی ناقابل قبول ہوتی ہیں۔ ایسے ماں باپ کی کوئی نیک چلن لڑکی اگر کسی شخص کے حبالۂ عقد میں آجائے تو کسی بھی موقعے پر اس کی کسی کوتاہی کی وجہ سے اس کو یہ نہ کہے کہ ہاں تو بیٹی تو اسی ماں یا باپ کی ہے جو ایسی یا ایسا ایسا ہے یا تھی یا تھا۔ اسے

عار دلانا کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے زمانۂ جاہلیت کی خُو (بدعادت) قرار دیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص (اپنے غلام) کو برا بھلا کہا اور اور اسے عار دلائی کہ تیری ماں ایسی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

'يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ'

' 'اے ابوذر! کیا تو نے اس کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی ہے، تیرے اندر تو ابھی تک جاہلیت کی خُو ہے۔''

پھر فرمایا:

'إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ'[39]

' 'تمھارے بھائی (غلام) تمہارے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے ماتحت کیا ہے (تم کو ان پر بالادستی عطا کی ہے اور ان کو تمھارے زیردست کیا ہے) پس جو بھائی (غلام نوکر چاکر) اس کے ماتحت ہو اس کو چاہیے کہ اس کو وہی کچھ کھلائے جو وہ کھاتا ہے، اور اس کو وہی کچھ پہننے کو دے جو وہ خود پہنتا ہے اور ایسا کوئی کام اس کے سپرد نہ کرے جو اس کی طاقت سے بالا ہو، اگر تم ایسا کوئی کام اس کے سپرد کرو تو تم ان کی مدد کرو (ان کے ساتھ مل کر وہ کام کرو۔)''

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں، زیردستوں اور غلاموں، نوکروں کو عار دلانا، ان کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہوئے ان کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ بٹھانے سے گریز کرنا اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ڈالنا یہ سب ممنوع ہیں تو بیوی تو غلام اور ماتحتوں سے زیادہ شرف و فضل اور عزت و احترام کی مستحق ہے، اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کی اجازت کب ہو سکتی ہے؟

اس لیے حسن معاشرت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بیوی کو عار نہ دلائی جائے۔ اس کے ماں باپ کیسے بھی ہوں یا کیسے بھی کبھی رہے ہوں، یا وہ خود بھی کبھی ایسی ویسی رہی

ہو لیکن توبہ کرکے اس نے اپنی اصلاح کرلی ہو اور اب وہ صحیح معنوں میں ایک صالح اور نیک چلن ہو اور اسی وجہ سے اس نے اسے اپنا رفیق زندگی بنانے کے لیے پسند کیا ہو تو اس کے بعد اس کو عار دلانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور یہ حسن معاشرت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں
اس کی دل آزاری کا پہلو ہے جب کہ حسن معاشرت کا تقاضا اس کی دلجوئی ودلداری کرنا ہے نہ کہ دل آزاری۔

بیوی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک غلام اور ماتحت شخص پر بھی اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا جائز نہیں ہے جب کہ ان کو اپنے گھروں میں رکھنے کا مقصد ہی ان سے اپنی خدمت لینا اور ان سے اپنے اندرونی وبیرونی کام کرانا ہوتا ہے تو بیوی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا کب جائز ہو سکتا ہے۔؟

بلاشبہ خاوند کی خدمت اور گھریلو امور کی انجام دہی عورت کی ذمے داری ہے، لیکن مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں بھی حسن معاشرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً، خاوند اس کو گھریلو اخراجات کے لیے جو رقم مہیا کرے، وہ ضروریات سے بہت کم ہو، لیکن خاوند اس کو مجبور کرے کہ وہ اسی رقم سے تمام ضروریات پوری کرے، ظاہر بات ہے بعض خاوندوں کا یہ رویہ سراسر تحکم اور تکلیف مَالاَیُطاق ہی ہے۔

اسی طرح بعض گھروں میں آنے والی نئی بہو پر ضرورت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے جب کہ گھر میں اس کی جوان نندیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ عدل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب مل جل کر گھریلو امور سرانجام دیں، ساس سسر بھی اس پہلو کو ملحوظ رکھیں، خاوند اگر اس سلسلے میں ماں باپ سے کوئی

بات کرتا ہے تو اس کو زن مرید ہونے کا طعنہ دے کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس سے بے انصافی کے تین نتیجوں میں سے کوئی
ایک نتیجہ بالعموم ظاہر ہوتا ہے۔

(1) یا تو خاوند اور بیوی دونوں، ماں باپ اور ساس سسر کے احترام میں خاموشی سے اس بے انصافی کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور عورت طاقت سے زیادہ بوجھ برداشت کرتی رہتی ہے اور گھر کا نظم میاں بیوی کی خاموشی اور بزرگوں کے احترام کی وجہ سے قائم رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ سکون دباو کا نتیجہ ہے، حسن
معاشرت کا نتیجہ نہیں۔

(2) اگر میاں بیوی اس بے انصافی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو جلد یا بہ دیر یہ صورت حال ماں باپ سے علیحدگی پر منتج ہوتی ہے۔

(3) گھر کی دوسری خواتین (نندیں، ساس وغیرہ)۔ اگر اس بے انصافی پر مصر رہتی اور سارا بوجھ فرماں بردار بیٹے کی بیوی پر ہی ڈالنے کی پالیسی پر گامزن رہتی ہیں تو جلد ہی پیمانۂ صبر لبریز ہو جائے گا اور پھر آئے دن اس پر باہم تھکا فضیحتی ہو گی جس سے میاں بیوی کا سکون بھی برباد ہو گا، گھر کا امن بھی قائم نہیں رہے گا اور ساس کا بے انصافی پر مبنی یہ رویہ لڑکی کے خاندان کو بھی ان سے بدظن کر دے گا اور مخاصمت وعناد کی ایسی فضا قائم ہو جائے گی۔ جو دونوں خاندانوں کو مضطرب رکھے گا۔

بنا بریں یہ تینوں ہی صورتیں ظلم و نا انصافی کی ہیں جو حسن معاشرت کے خلاف ہیں۔ یہ ساس بہو کا وہ روایتی کردار ہے جس کی کہانیاں ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ لیکن اہل دین اور خشیت الٰہی رکھنے والوں کو اس قسم کے رویوں سے بچنا چاہیے، ایسا رویہ آخرت ہی برباد کرنے والا نہیں ہے بلکہ دنیا بھی بگاڑ دینے والا ہے۔

مشاورت کا اہتمام کیا جائے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہر اہم معاملے میں مرد بیوی سے مشاورت کا اہتمام کرے، بیوی کو نظر انداز کر کے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ یہ حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور عقل ودانش کے بھی منافی۔ عدم مشاورت سے بھی بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان ایسی تلخیاں اور کشیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو پورے گھر کے سکون کو برباد کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر تک کو یہ حکم دیا کہ وہ مسلمانوں سے مشاورت کا اہتمام کریں۔

[وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ][آل عمرٰن 159]

’’اور (دین کے) کام میں ان سے مشورہ کیا کیجئے۔‘‘

اور مسلمانوں کی صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے معاملات باہم مشاورت سے چلاتے ہیں۔

[وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ][الشوریٰ 38]

’’اور ان کے کام باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں‘‘

صلح حدیبیہ کے موقعے پر جو معاہدہ لکھا گیا تھا، مسلمان اس کی ظاہری دفعات سے دل گیر تھے اور نبوت کی نگاہِ دوررس میں اس کے جو فوائد تھے، عام مسلمان اس کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔ بنا بریں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے تحریر کیے جانے کے بعد صحابہ کو حکم دیا کہ اٹھو! اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو (کیونکہ اس سال ہم مکہ جا کر عمرہ نہیں کر سکیں گے) لیکن صحابہ غم سے نڈھال اور دل گرفتہ تھے، اس لیے کوئی بھی نہ اٹھا، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ کے اس طرز عمل کا ذکر کیا،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ آپ کسی کو کچھ نہ کہیں اور جاکر اپنا جانور ذبح کر دیں اور اپنا سر منڈا لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورے کے مطابق اپنی ہدی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام کو بلا کر سر منڈوالیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ نے آپ کے عمل کو دیکھ کر بلا توقف اپنے اپنے جانور بھی ذبح کر دیے اور باہم ایک دوسرے کے سر بھی مونڈ دیے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام تر عظمت کے باوجود جب اپنی اہلیہ محترمہ سے جاکر مشورہ کیا تو انھوں نے جو مشورہ دیا، اس پر عمل کرنے سے ایک نہایت اہم مسئلے کا فوری حل نکل آیا جس پر آپ خود بھی سخت پریشان تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی عقل و دانش ہی کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اپنے رفیق زندگی یعنی بیوی سے بھی ہر اہم معاملے پر مشورہ کرنا اور باہم مل کر سوچ بچار کرنا نہایت بابرکت عمل ہے۔ نہ عورت اپنے طور پر فیصلہ کرے اور نہ مرد ہی ایسا کرے بلکہ دونوں قدم سے قدم ملا کر اور ایک دوسرے کو اپنا ہم نوا بنا کر اور اعتماد میں لے کر فیصلہ کریں۔

جب بچے بچیاں جوان ہو جاتے ہیں تو ان کے رشتوں ناطوں کے سلسلے میں اگر باہم مشاورت اور افہام و تفہیم سے کام نہ لیا جائے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض دفعہ بچوں کے مستقبل بھی تاریک ہو جاتے ہیں، و علی ہذا القیاس، دوسرے معاملات ہیں، سب میں باہم مشاورت باعث برکت بھی ہے اور حسن معاشرت کا تقاضا بھی، اور گھر کی خوش گوار فضا اور اس کے امن و سکون کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا سبب بھی۔

مرد حسن باطنی کے ساتھ، ظاہری زیب و زینت کو بھی اختیار کرے

جس طرح مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی حسن و جمال کا پیکر ہو یا کم از کم آرائش و زیبائش کا اہتمام کرنے والی ہو۔ اسی طرح عورت کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا

خاوند مردانہ جاہ وجلال اور حسن وجمال کا حامل ہو۔اس لیے مرد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ عورت کی اس جائز خواہش کا احترام کرے اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ظاہری زیب وزینت اختیار کرنے میں بے اعتنائی نہ برتے۔جیسے صاف ستھرا رہنا، نظافت وطہارت کا خیال رکھنا، خوشبو وغیرہ کا استعمال اور کنگھی تیل کا اہتمام، وغیرہ، اسی لیے حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلا کام کیا کرتے تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "مسواک کرتے تھے۔(تاکہ منہ سے خوش گوار خوشبو آئے۔) تاہم اس زیب وزینت کے اختیار کرنے میں نہ شریعت سے تجاوز ہو اور نہ کبر وغرور کا اظہار ہو، یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں۔"

مثلاً، آج کل زیب وزینت کا معیار یہ ہے کہ مرد کا چہرہ سنتِ رسول (داڑھی) سے پاک ہو، انگریزوں کے لباس (ٹائی، پتلون) میں ملبوس ہو اور بیوٹی پارلر میں جا کر آراستہ وپیراستہ ہو۔ظاہر بات ہے یہ زیب وزینت اللہ کو ناپسند ہے۔

اسی طرح زیب وزینت کے ڈانڈے کبر وغرور سے نہ جا ملیں۔بلکہ یہ زیب وزینت ظاہری وباطنی حسن وجمال کا ایسا حسین امتزاج ہو جس میں حُسن صورت بھی ہو اور حُسن سیرت بھی۔حُسنِ سیرت اور باطنی جمال کے بغیر ظاہری حسن کی حیثیت اس شخص کی طرح ہے جو غبار آلود چہرے پر غازہ پاشی کر لیتا ہے جس سے اس کا چہرہ نکھرنے کے بجائے اور دھندلا جاتا اور کالک زدہ سا ہو جاتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں ظاہری لباس کو وجہ زینت بتلایا ہے تو وہیں لباس تقوی کی
اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے جس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔

[يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭوَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ][الأعراف26]

''اے بنی آدم (انسانو)! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم والی چیزوں کو بھی چھپائے اور زینت کا باعث بھی ہو، اور لباس تقوی (دل میں خشیت الٰہی) یہ بہت بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

گویا دل میں عجب، کبر و غرور اور ظاہری حسن کا پندار اور گھمنڈ نہ ہو، بلکہ اللہ کا خوف ہو جو انسان کو بہکنے اور بھٹکنے سے محفوظ رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

'لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ'

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر ایک شخص نے پوچھا:

'إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً'

''ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی کبر ہے؟۔'')

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ'

''اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے، خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر (غرور) تو حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' [40]

یعنی اچھا لباس پہن کر خوب صورتی اختیار کرنا تو اللہ کو پسند ہے کیونکہ وہ خود خوب صورت ہے۔ البتہ اچھا لباس (خلعتِ فاخرہ) پہن کر اس پر اترانا، اکڑنا اور کبر وغرور کا اظہار بایں طور کرنا کہ اس کو حق کی بات بتلائی جائے تو اپنی انانیت میں اس کا انکار کر دے اور اپنے سے کم تر رتبوں کے لوگوں کو حقیر سمجھے، یہ کبر ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوٰى هٰهُنَا، وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مِرَارٍ، بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ... الحديث'[41]

'اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر نہ ظلم کرے، نہ اس کو (مدد کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ اس کو حقیر سمجھے۔ اور اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، یعنی دل (سینے) میں۔ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔"

ایک اور حدیث میں فرمایا:

'إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلٰى صُوَرِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهٖ إِلٰى صَدْرِهٖ وَفِي رِوَايَةٍ وَأَعْمَالِكُمْ'[42]

'اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو (اور اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا) اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔"

مرد رات کا بیشتر حصہ گھر میں گزارے

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی بابت پہلے گزرا کہ وہ ساری رات قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان سے فرمایا:

’وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا‘[43]

’’تیرے گھروالوں (بیوی) کا بھی تجھ پر حق ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ قیام اللیل رات کو (اللہ کی عبادت کرنا) بلاشبہ بہت فضیلت والا عمل ہے لیکن رات کو بیوی کے حقوق کو نظر انداز کرکے اگر قیام کیا جائے گا تو یہ پسندیدہ امر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مرد راتوں کو اپنا وقت دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں یا اسی طرح کی دیگر سرگرمیوں میں گزارتا ہے اور رات کو دیر سے گھر میں آتا ہے تو یہ بھی بیوی کی حق تلفی ہے اور حسن معاشرت کے بھی منافی ہے۔

حُسنِ معاشرت کا تقاضا ہے کہ مرد سارا دن گھر سے باہر گزارنے کے بعد رات کا وقت بیوی کے پاس گزارے اور اس کی دلداری ودلجوئی کا اہتمام کرے۔

سارے دن کی جدائی کے بعد رات کو بھی عورت کو انتظار کے کرب انگیز لمحات گزارنے پر مجبور کرنا کسی لحاظ سے بھی مستحسن اور پسندیدہ نہیں ہے۔

میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں دوستوں میں بیان نہ کی جائیں

بہت سے نوجوان اپنے دوستوں کی محفل میں تنہائی اور راز کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں جو ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان ہوتی ہیں، بالخصوص شب زفاف (شادی کی پہلی رات کی) باتیں۔ یہ شرعاً ناپسندیدہ امر ہے اور اس پر سخت وعید وارد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا، وَفِي رِوَايَةٍ: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ أَيْ أَعْظَمِ خِيَانَةِ الْأَمَانَةِ عِنْدَ اللّٰهِ‘...

’’قیامت کے دن اللہ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ بدتر درجے والا (دوسری روایت کے الفاظ ہیں) امانت میں سب سے زیادہ بڑی خیانت کرنے والا، وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جاتا اور وہ اس کے پاس جاتی ہے (دونوں ہم بستری

کرتے ہیں) پھر وہ شخص اپنی بیوی کی راز کی باتیں پھیلاتا (دوستوں میں بیان کرتا) ہے۔]"44[

بیوی کے راز افشا کرنے کا مطلب ہے، ہم بستری کے وقت میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ جو پیار محبت کی باتیں کرتے، ایک دوسرے کو جنسی تلذذ پر آمادہ کرنے کے لیے جو حرکتیں کرتے اور اس خصوصی عمل سے جو لذت حاصل کرتے ہیں، ان کیفیات کو بیان کرنا۔ اس کی ممانعت میں کئی حکمتیں ہیں:

(1) یہ بے حیائی کی باتیں ہیں، ان سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔

(2) بیوی کے حسن و جمال اور اس کی نازنینانہ اداؤں اور محبوبانہ غمزوں اور عشووں کے بیان کرنے میں خطرہ ہے کہ اس کے دوست، یہ باتیں سن کر اس کے رقیب بن جائیں اور اس کی دلربا بیوی سب کے لیے فتنہ اور آزمائش بن جائے۔

(3) اور اگر بیوی اس کے بر عکس ہو، یعنی خوب رو نہ ہو تو اس کی برائیاں یا اس کے بارے میں ناخوشگوار تاثرات یہ حسن معاشرت کے منافی ہے۔ دوستوں میں ان باتوں کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ باتیں دونوں خاندانوں میں بلکہ دوستوں کے گھرانوں میں
پھیلیں گی جس کے اثرات اچھے نہیں ہوں گے۔

یہی حکم عورت کے لیے بھی ہے کہ وہ خلوت کی ان باتوں کو اپنی سہیلیوں میں بیان نہ کرے۔

بیوی کو دینی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ ہے کہ جس طرح بیوی کے لیے اپنی طاقت کے مطابق دنیوی آسائشیں اور سہولتیں مہیا کرے، اسی طرح خاوند اس بات کا بھی اہتمام کرے کہ بیوی کی آخرت کی زندگی بھی بہتر ہو۔ اور

آخرت کی زندگی کا سنورنا منحصر ہے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں۔ اور عمل تب ہی ہوگا جب اس کو دینی تعلیمات سے آگاہی اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ ہوگا۔

بنا بریں مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ عورت کی دینی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کرے اور دین پر عمل کرنے کا جذبہ بھی اس کے اندر پیدا کرے۔ اگر بیوی اس میں کوتاہی کرے تو اس پر سختی کرے اور دین پر عمل کروائے تاکہ اس کی آخرت برباد نہ ہو۔ علاوہ ازیں اس کی دین داری کی وجہ سے اس کی گود میں پلنے والی اولاد بھی دین دار ہوگی، بصورت دیگر اولاد کی بھی بے راہ روی کا شدید خطرہ ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے:

[يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ][التحریم 66]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو بھی اور اپنے گھر والوں (اہل) کو بھی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔''

اسی حکم میں نماز کی پابندی بھی شامل ہے، یعنی بیوی بچے اگر نماز میں سستی کرتے ہوں تو

انھیں سختی سے نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا:

[وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱصْطَبِرْ عَلَيْهَا][طٰهٰ 132]

''اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ[45]

''تم اپنی اولاد کو، جب کہ وہ سات سال کی ہو جائے، نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی ہو جائے (اور وہ نماز میں سستی کرے) تو اس پر اس کی سرزنش کرو، اور (اس عمر میں) ان کے بستر ایک دوسرے سے الگ کردو۔''

گھر سے باہر جانے کی اجازت دے، مگر...

حسن معاشرت میں یہ بھی شامل ہے کہ خاوند بیوی کو گھر سے حسب ضرورت باہر نکلنے کی اجازت دے، اس میں بلاوجہ قدغنیں نہ لگائے۔ جیسے بعض لوگ بیوی کو اس کے رشتے داروں کے پاس جانے سے روکتے ہیں، بعض گھر سے ہی نہیں نکلنے دیتے، بعض مسجدوں میں جانے سے روکتے ہیں۔ یہ سب باتیں حسن معاشرت کے منافی ہیں۔ جب شریعت نے یہ پابندیاں عائد نہیں کی ہیں تو کسی اور کو اس کا حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

البتہ یہ ضروری ہے کہ عورت بلاوجہ گھر سے باہر نہ گھومتی پھرے اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے باہر جانا پڑے تو شریعت کے حکم کے مطابق سادگی اور پردے سے باہر جائے۔ بعض عورتیں پردے اور سادگی کی اہمیت کو نہیں سمجھتیں اور بے پردہ بلکہ نیم عریاں ہو کر گھر
سے نکلتی ہیں۔ مرد کی ذمے داری ہے کہ ایسی بے پردہ اور فیشن ایبل عورت کو سختی سے پردے کا پابند بنائے اور اس کو اس حدیث کا مصداق بننے سے روکے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی عورتوں کو "لباس پہننے کے باوجود عریاں" قرار دیا اور ان کی بابت جہنم کی وعید بیان فرمائی۔

گھر کے اندر بھی عورت کی حفاظت کرے

اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دے جن سے عورت کی عزت کو خطرہ ہو اور نہ وہ خود ایسے دوستوں کو گھر میں لا کر گھنٹوں بٹھائے رکھے جس سے اس قسم کے خطرات پیدا ہوں۔ اسی طرح قریبی رشتے داروں کے نوجوان بچوں کو بلا محابہ گھر میں آنے جانے کی اجازت نہ دی جائے، حتی کہ شریعت نے دیور اور جیٹھ تک سے پردہ کرنے کی تاکید کی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ' [46]

' 'عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو۔ ایک انصاری نے پوچھا: خاوند کے قریبی رشتے دار (دیور، جیٹھ وغیرہ) کے بارے میں وضاحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: خاوند کا قریبی رشتے دار (دیور، جیٹھ وغیرہ) تو موت ہیں۔"

' 'حمو" عربی میں خاوند کے نہایت قریبی رشتے دار کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے اکثر لوگ اس کا ترجمہ دیور، جیٹھ کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ قریبی رشتے داروں میں سب سے پہلے خاوند کے حقیقی بھائی ہی آتے ہیں لیکن اس لفظ میں وسعت ہے۔ اس میں حقیقی

بھائیوں کے علاوہ اس کے چچازاد، ماموں زاد، پھوپی زاد، اور خواہر زاد (بھانجے) سب آجاتے ہیں جن سب کے لیے آج کل کزن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ایک عورت کے لیے یہ سب غیر محرم ہیں جن سے پردہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں ان سے پردے کا رواج نہیں ہے، سوائے چند گھرانوں کے بیشتر گھروں میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے بعض دفعہ عورت فتنے کا شکار ہو جاتی ہے اور ایسا کام کر بیٹھتی ہے جس کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیور، جیٹھ اور کزنوں کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس لیے مرد کی ذمے داری ہے کہ گھر کے اندر گھر میں ساتھ رہنے والے بھائیوں اور گھر میں آنے جانے والے کزنوں پر نظر رکھے اور جہاں تک ہو سکے پردے کا اہتمام کرے تاکہ کسی قسم کی ناخوشگوار صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح گھروں میں ایسے لوگوں کو بھی داخلے کی اجازت نہ دی جائے جو بے حیائی کی ترغیب دینے والے ہوں۔ جیسے مخنّث (ہیجڑے) وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر

تھے۔ گھر میں ایک مخنّث بھی تھا، وہ حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے کہنے لگا: اگر کل کو اللہ نے تمہارے لیے طائف کو فتح کروادیا تو میں تمھیں وہاں رہائش پذیر غیلان کی بیٹی بتلائوں گا جو موٹی تازی ہے، چلتے وقت اس کے جسم میں آگے پیچھے اتنے اتنے بل پڑتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

'لَا یَدْخُلَنَّ ھٰذَا عَلَیْکُمْ'

صحيح البخاري، حديث: 5235

''یہ تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔''

عورت کی خدمات کا اعترف کرے

حسن معاشرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد عورت کی ان خدمات کا اعتراف کرے جو ایک عورت گھر کے اندر رہ کر شب وروز سر انجام دیتی ہے۔ جیسے:

گھر کی صفائی

کھانا پکانا اور انواع واقسام کی ہانڈیاں تیار کرنا۔

افراد خانہ کے کپڑے دھونا۔

بچوں کی خبر گیری کرنا، ان کی خوراک وغیرہ کا خیال رکھنا۔

آئے گئے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا۔

خاوند کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنا۔

سلیقہ مندی اور سگھڑپن سے گھر کا اانتظام چلانا۔

رشتے داریوں اور ان کے تقاضوں کو نبھانا۔

شادی شدہ بیٹیوں اور بیٹوں کے بچوں کا خیال رکھنا۔

مستقبل کی منصوبہ بندی اور اس کو اپنے لیے اور پورے کنبے کے لیے زیادہ سے زیادہ روشن بنانے کی سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

ایک کتاب کے فاضل مؤلف کی صراحت

ایک کتاب کے فاضل مؤلف نے عورت کی خدمات کا بڑے مؤثر انداز میں تذکرہ کیا ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اسے پیش کرتے ہیں۔

''بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت کا خانگی اور گھریلو کام آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا دن بھر صرف انہی کاموں کے لیے فارغ رہنا ایسا ضروری نہیں ہے۔ یہ گمان جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ بچوں کی تربیت جیسی اہم ذمے داری جب تک عورت کے کاندھے پر ہوتی ہے اس کے لیے فرصت ضروری ہے تاکہ اپنی ذمے داری کو حدیث میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نباہنے کے لیے اسے کچھ پڑھنے اور بکثرت مشاہدے کا موقع ملے۔ مزید بر آں اسے اپنا ذہن یکسو اور دل کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے تاکہ ایسے زوردار ثر احساس اور تیز جذبے سے محفوظ ہو جس کا راست اثر پیٹ کے اندر یا دودھ پینے والے بچے پر پڑتا ہے اور بد ترین اندیشہ سامنے آتا ہے۔ علم نفسیات کے تجربے اور مشاہدے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ڈاکٹر محمد حسین لکھتے ہیں:

''یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ عورت کا پہلا کام یعنی بچہ پیدا کرنا اور نسل انسانی کی حفاظت کرنا ایسا عمل ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور انجام نہیں دے سکتا۔ مرد کے جسمانی اعضاء کی بناوٹ پیٹ میں بچہ پالنے یا دودھ پلانے کے لائق ہر گز نہیں ہوتی۔ اب اگر عورت کو شدت سے کام میں جوڑ دیا جائے تو ظاہر ہے اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر اس کا اچھا اثر مرتب نہیں ہوگا۔

نیز یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے گہرے اثرات عورت کے دل سے ہو کر حمل کی حالت میں رہنے والے پیٹ کے بچے پر براہ راست پڑتے ہیں اسی طرح شیر خوار بچہ بھی ان اثرات سے کسی طرح خود کو نہیں بچا سکتا۔ موروثی

اثرات کے بعض ماہرین یہاں تک کہتے ہیں کہ ماں اور باپ پر جو حالت یا کیفیت جنسی ملاپ یا (ماں پر) حمل کے دوران طاری ہوتی ہے اس کا تمام تر اثر بچے کی عادت اور طبیعت پر پڑتا ہے جن عورتوں کو حمل کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، پیٹ کے اندر بچے کی حفاظت اور پیدائش کے بعد ان کی تربیت اور نگہداشت جن کے ذمہ عائد ہوتی ہے، ایسی تمام خواتین کے لیے ضروری ہے کہ اعصابی ہیجان سے دور رہیں اور کوئی مشقت کا ایسا کام نہ کریں جس سے عضلات اور دماغ سخت تکان کا شکار ہو جائے۔ ورنہ اس کے اثرات زیر پرورش پیٹ کے بچے یا شیر خوار پر گہرے اور بدترین پڑیں گے اور تادیر باقی رہیں گے۔ ظاہر ہے اس ذمہ داری کو سنبھالنا بھی اہم فریضہ اور جانگسل مشغلہ ہے جس میں نسل انسانی کی بقا افزائش اور ترقی مضمر ہے۔ اس مرحلہ سے عہدہ برآ ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اہلیہ اپنے بچوں پر کامل توجہ صرف کرنے کے لیے پوری طرح فرصت سے رہے، اپنے جسم، عقل اور اپنی عادات واطوار کو اس طرح قابو میں رکھے کہ تندہی سے ان بچوں میں اعلیٰ تعلیم اور اخلاق اور نیک کردار کا بیج بو سکے اور بری عادت سے انھیں بچا سکے۔ اور یہ کام ایک دوبار حکم دینے یا منع کرنے سے نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے مسلسل نگرانی کڑی توجہ اور پوری دیکھ بھال ضروری ہے تاکہ بچوں کے اندر یہ صلاحیتیں راسخ ہو جائیں۔

بچوں کو کسی غلط کام پر پے درپے ٹوکنا اور مسلسل اس کے لیے بیدار ہونا بھی طبیعتوں میں غلط چیز راسخ ہونے سے حفاظت کا سبب بنتا ہے۔ یہ نگرانی جس سے اگر غفلت نہ برتی گئی، صبر اور ثابت قدمی سے اس پر عمل کیا گیا اور کسی قسم کی اکتاہٹ روا نہ رکھی گئی تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے پہلے کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہوگی اور ان کا علاج مشکل نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ بچہ صرف حمل یا شیر خوارگی کے دوران ہی اپنی ماں کے اثرات کو قبول کرتا ہے اور اس سے ربط قائم رکھتا ہے، تو ظاہر ہے یہ نظریہ انسان کو حیوان کی صفت میں کھڑا کر دینے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ یہ انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ غذائی پرورش کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور ذہنی
نگہداشت اور پرورش کے ذریعہ بھی اپنے اوصاف کو بچے کے اندر منتقل کرتا ہے۔
جب کہ حیوان اس جوہر سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ انسانی ترقی اور حیوانوں سے اس کے افضل ہونے کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ اس طریقہ سے نئی نسلیں اپنی پیش رو نسلوں سے تجربے حاصل کرتی ہیں علم و آگہی کا سبق سیکھتی ہیں جس سے وہ اپنا فرض کما حقہ انجام دیتے ہیں۔ اور تجربے کرنے میں جو وقت اور محنت صرف ہوتی ہے انھیں اس سے نجات مل جاتی ہے۔
اور اگر کسی عورت نے خود ان کاموں کو انجام دینے کی بجائے اپنے بچوں کی نگہداشت اور پرورش کے لیے اپنے نوکروں اور خادموں پر اعتماد کیا، تو ان کی ترقی رک جائے گی۔
کیونکہ ماں جس قدر توجہ اور سرگرمی سے اپنے بچوں کے لیے وقت صرف کر سکتی ہے، جتنے اخلاص اور دردمندی سے وہ کام کر سکتی ہے، اس کا سواں حصہ بھی اس کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جا سکتا کیونکہ ماں کے اخلاص اور پرورش کی شدید خواہش کے پیچھے اس کے ممتا بھرے جذبات ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں نوکروں اور ماتحتوں پر اعتماد کرنے سے تربیت اور پرورش کا وہ پہلا معیار قطعاً برقرار نہیں رہ سکتا۔ خواہ نوکروں سے کتنی ہی اعلیٰ درجے کی خدمت لی جائے۔ خواہ ترقی اور کمال کے لیے بڑے سے بڑا وسیلہ اختیار کیا جائے اور ان خیانتوں اور سستی اور غفلت سے صرف نظر کیا جائے، جس کا نوکروں کی طرف سے روزمرہ کی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

اور آج جو دفاتر میں کام کرنے والی مائوں نے اپنا دودھ پلانے کی بجائے مصنوعی طریقہ استعمال میں لانا شروع کرر کھا ہے ہماری نظر میں یہ امانت میں خیانت، حدود سے تجاوز اور سنت الٰہیہ کو بگاڑ دینے کے مترداف ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے عورت کو چھاتی اس لیے نہیں دی کہ نائٹ کلبوں میں اس کا مظاہرہ کیا جائے اور سڑکوں اور شاہراہوں پر اپنے حسن وجمال کی نمائش کی جائے۔ بلکہ اس کی تخلیق کا اصل مقصد یہی شیر خوار گی ہے پھر شیر خوار گی کا یہ عمل صرف ایک عضو کا استعمال نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے شفقت مادری اور مضبوط عہد وپیمان کا رشتہ ہوتا ہے اور آج شیر خوار گی کے ان مصنوعی طریقوں کو دیکھ کر یہ اندیشہ ہوتا محسوس ہے کہ خدانخواستہ مستقبل میں ایسے طریقے نہ ایجاد کر لیے جائیں جن میں مرد کے نطفہ کو ماں کے رحم سے ہٹا کر کہیں اور اس کی پرورش کی جائے تاکہ عورت کو حمل کی مشقت اور خوبصورتی کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اس صدی کے آغاز میں اٹھنے والی تعلیم نسواں کی تحریک ابتدا میں بکثرت اس بات کا پروپیگنڈہ کرتی تھی کہ بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت خود بھی تعلیم وتربیت یافتہ ہو۔ لیکن جب عورت زیور تعلیم سے آراستہ ہوئی تو یہ تحریک اپنا پچھلا پروپیگنڈہ خود بھول گئی یا بھلادی گئی۔ اور اب وہ یہ کہنے لگے کہ عورت مرد کے شانہ بشانہ مردوں کی طرح خود بھی کام کرے۔ ظاہر ہے ان کا یہ عمل ان کے پچھلے پروپیگنڈے کے اندر موجود کھوٹ کی غمازی کرتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس پروپیگنڈے اور مشن کے پیچھے کون سے اغراض ومقاصد کارفرما تھے جو ان کے قول وفعل کے تضاد کا باعث بنے۔

علاوہ ازیں ہم چاہیں تو عورتوں اور خود اپنے آپ کے دشمن ان لوگوں کو جنھیں اخبارات اور رسالے عورتوں کے نام نہاد حامی اور معاون لکھتے آرہے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ

دیکھو! عورت محنت کی عادی نہیں نہ ایسے تمام کاموں کو وہ انجام دے سکتی ہے جنھیں مرد کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ کیونکہ تکوینی طور پر عورت مہینہ میں کم و بیش ایک ہفتہ حیض سے ہوتی ہے۔ یہ حالت قریب قریب مرض کی حالت ہے۔ جس کے تحت عورت روز مرہ کے بہت سارے کام حسب معمول انجام نہیں دے سکتی۔ اس کے بعد جب اسے حمل ٹھہرتا ہے تو قرار حمل کے ابتدائی دنوں میں اسے کافی تکالیف اور متعدد بیماریاں آگھیرتی ہیں۔ حمل کے آخری دنوں میں اس کی حالت کبھی ایسی ہو جاتی ہے جیسے اس کا بدن ٹوٹ کر شل ہو گیا ہو۔ پھر ایک مزدور عورت اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کا المیہ یہ ہے کہ اسے مناسب شوہر کی تلاش ہوتی ہے، وہ یہ کوشش کرتی ہے کہ ایسی ہر جگہ سے صاف بچ کر نکل جائے، جہاں اس کی نگاہیں خیرہ اور نظریں چکا چوند ہوتی ہوں۔ اور بچ کر یہ نکل جانا بھی اس کے لیے نئے شوہر کی تلاش سے زیادہ خطرناک اور مشکل ہو جاتا ہے۔

عورت کے ان دوست نما دشمنوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عورت کا گھر بیٹھے رہنا اس کے حقوق کو تلف کرنے اس کی شخصیت کو ختم کرنے اور اس کے وجود کو تہس نہس کر دینے کے برابر ہے۔ حالانکہ جیسے زنگی کو الٹے کافور کہا جاتا تھا اسی کے مصداق یہ بھی ہوگا کہ جو محفوظ ہو جس کی خدمت کی جائے اور جس کی ایک ایک ضرورت پوری کی جائے ایسی ذات کو آزادئ نسواں جیسی کتابوں کے مصنف کی طرح ہم قیدی اور نظر بند کا نام دینے لگیں۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت پردے کے پیچھے رہ کر بھی باعزت، شان و شوکت والی اور اپنے شوہر پر حکومت کرنے والی ہوتی ہے۔ اسے کسی دن یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے حقوق پامال کیے گئے ہیں یا وہ مظلوم و مجبور ہے، یا قیدی اور نظر بند ہے یا اس کی عزت نفس داغدار اور شخصیت مجروح ہو چکی ہے۔ بلکہ اس قسم کی نفرت کا مظاہرہ

آئے دن انھی اہل قلم لوگوں کی تحریروں سے ہوتا ہے جو نام نہاد "حقوق نسواں" کا بینر لگا کر نکل پڑے ہیں۔ اس ذہنیت کا شکار صرف مرد ہیں عورتیں ان کے ساتھ قطعی شریک نہیں ہیں۔ اور ان کا مقصد مرد و زن دونوں کی زندگی بگاڑنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر زندگی تو درحقیقت سکون و اطمینان کا نام ہے جس میں لوگ اپنے لیے برکت اور ثابت قدمی کی راہیں تلاش کر سکیں۔ جب کہ اس نام نہاد تحریک کی پیدا کردہ عورتوں مردوں کے اندر اس یورش اور بغاوت کی غرض صرف یہ ہے کہ ان کے اندر سکون اور چین کے بجائے کشمکش، اضطراب اور بے چینی پیدا کی جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر دو کے اندر محبت اور رأفت و رحمت پیدا ہو، تاکہ کائنات کی آباد کاری اور نسل انسانی کی حفاظت اور بقا کا مرحلہ آسان ہو۔

صحت مند سماج کی بنیاد ہی ہمیشہ باہم میل محبت، رحم دلی اور سچائی پر مبنی ہوتی ہے۔ تاکہ سماج کا ہر فرد خوشی خوشی اپنا فرض منصبی انجام دے سکے۔ اسے کسی اکتاہٹ اور بے چینی کا احساس نہ ہو۔ سماج کی حالت ایک جسم کی ہوتی ہے جس کا ہر عضو اپنا کام کرنے اور اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اگر ایک عضو بھی اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے رک جاتا ہے تو پورا نظام بگڑ کر رہ جاتا ہے۔ یہ اللہ کی بے عیب اور بلند ذات بابرکات ہے جس نے ہر چیز کو مناسب طریقے سے پیدا فرمایا، پھر اسے راستہ پر لگا دیا۔ اسی نے ایک ایک فرد کو اور کائنات کے ذرے ذرے کو خواہ وہ حیوانات و نباتات یا جمادات ہوں، یا کوئی اور ہوں، غرض سب کو خاص کاموں کے لیے پیدا کر رکھا ہے۔ ان کے اندر مناسب طبیعتیں بنائی ہیں اور انھی کاموں کا انھیں خوگر بنا ڈالا ہے۔ ہماری موجودہ اور نئی سے نئی زندگی اپنے ہر میدان میں بس اسی شاہراہ پر گھومتی ہے علم و حکمت کا صیغہ ہو، یا صنعت و حرفت کا کل پرزہ ہو۔ آج ہر پہیہ بڑی باریکی، نزاکت اور صفائی کے ساتھ اسی ڈگر پر گھوم رہا ہے جہاں اسے جوڑ دیا

گیا ہے۔ علاوہ ازیں ترقی وتربیت کے جدید اصول اس کے لیے کوشاں ہیں کہ تحقیق و جستجو کے بعد بچوں اور بچیوں کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے، تاکہ ہر کوئی اپنے تکوینی فرائض اور مخصوص ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ جب دیگر عناصر کے لیے اس قسم کی تخصیص اور مناسب کارکردگی کی کوشش کی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مردوں عورتوں کے لیے اس کے مخالف کوشش کی جائے اور ان کے تکوینی کاموں سے انہیں علیحدہ رکھا جائے۔

سچ پوچھیے تو ایک مرد جو گھر کے باہر کام کرتا ہے اور محنت ومشقت کے بعد تھک کر چور ہو جاتا ہے، اسے ایسی بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو آراستہ وپیراستہ ہو، خوشبو میں بسی ہوئی ہو، آسودہ حال اور فارغ البال ہو، جس سے مرد سکون حاصل کرے اس کی قربت سے اس کی تھکن کافور ہو، پژمردگی اور اس کی ایک ایک پریشانی کا ازالہ ہو۔ لوگوں کے ساتھ مصروف رہ کر تنگی اور شکر رنجی جو طبیعت میں بس جائے اور جس اکتاہٹ کا وہ شکار ہو اس سب کا خاتمہ ہو۔ اس کے بجائے اگر عورت نے محنت مشقت کے میدان میں قدم رکھا تو شوہر اور بال بچوں کی رعایت وہ بھلا کیسے کرے گی اس لیے کہ کام کے بعد وہ بھی تھک کر چور لوٹے گی جیسے ابھی ابھی مرد لوٹا ہے۔ اب تھکا ہوا تھکے ہوئے سے کس طرح تسلی پا سکتا ہے؟ ان میں سے کس کا دل گردہ ہے جو بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کرے، ان کی تربیت اور انہیں خوش رکھنے کے پِتّہ مارنے والے کام کو باآسانی انجام دے سکے۔ اور اگر خدا نخواستہ مرد وزن نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا تو ان کی زندگی کا بس اللہ ہی نگہبان ہے۔ اس صورت میں ان کی زندگی اذیت وتکلیف اور بدبختی کا دوسرا نام ہوگی، اور پھر سماج کے یہ افراد خواہ مرد، عورت ہوں یا جوان اور بچے ہوں، ان کی حیثیت زندگی کی مشینری میں ان بے جان کل پرزوں کی سی ہوگی جن کی قسمت میں سکون اور ٹھہراؤ نہیں۔ ان کا کام بس چلتے رہنا اور گھستے رہنا ہے۔

ہر بصیرت اور ادنیٰ شعور رکھنے والا اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ اس پہلو سے آج امریکن اور یورپین سماج پر ذلت اور ناکامی کے آثار چھائے ہوئے ہیں اور ابھی تو یہ آثار اور بھی گہرے ہوں گے اس لیے کہ تمام خرابیاں ابھی جڑ تک نہیں پہنچیں۔

بہر کیف یورپ کی موجودہ ذلت کی ماری نئی پود کا تعلق ایسے ماں باپ سے ہے، جو حیران و پریشان اور گم کردہ راہ ہیں جن کے اعصاب ٹوٹ چکے ہیں، جن کے افکار پراگندہ اور جن کے دل سخت بے چینی کا شکار ہیں اور گراوٹ کا یہ اونچا تناسب... جس کے کل اعداد و شمار کو مغربی ماہرین نے فراہم کیا ہے اس کے اندر بے راہ روی اور کجی اپنے پورے رنگ اور پوری نوعیت کے ساتھ جھلکتی نظر آتی ہے یہ مظاہر اور آثار اس تجربہ کے آئینہ دار ہیں جو یورپ نے عورت کے اوپر اب تک کئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ نئی نسل تمام تر انھی مزدور اور ملازم پیشہ خواتین کی اولاد ہیں، جنھوں نے ماں کے پیٹ سے مشقت اور کام کے دبائو کو محسوس کیا ہے۔ اور جب انھوں نے جنم لیا تو یہ ان کی سستی، غفلت اور بے توجہی کا شکار ہوئے۔ اس تجربے کے ناکام ہونے کے بعد کیا پھر کوئی کسی قسم کے تجربے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کیا لوگ اب بھی غور و فکر نہیں کریں گے؟

عورتوں کے ان نام نہاد حمایتیوں کے پاس ان کے گمان کے مطابق جو دلیل اور ثبوت ہیں جن کی بنیادیں تمام تر مغالطے پر مبنی ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے جو وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے گھر میں رہنے سے تقریباً آدھا سماج معطل اور بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ گویا ان کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ عورت کے لیے گھر میں کوئی کام نہیں ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی گھریلو ذمہ داری، شوہر کی نگہداشت اور خدمت، بال بچوں کی تربیت اور پرورش اور ان کی طرح طرح کی ضروریات کی تکمیل بذات خود اتنی اہم ہوتی ہے جو عورتوں کا پورا وقت لے لیتی ہے بشرطیکہ

عورت کما حقہ اس فریضہ کو انجام دے۔ ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کی تکمیل کے لیے پھیلا ہوا وقت بھی تنگ پڑ جاتا ہے۔ ہمارے اس دعوے پر مسکت دلیل جو مخالف کو تقریباً خاموش کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ کام کرنے والی مزدور خواتین ہمیشہ یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ جو کام وہ نہیں کر سکتیں ان کی تلافی کے لیے کچھ مرد یا عورت ملازم رکھ لیے جائیں۔ ظاہر ہے اس صورت میں حکومت کی آمدنی میں کون سی ایسی کمائی یا اضافہ ہو سکتا ہے کہ عورت گھر کے باہر کام کے لیے نکلے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ایک یا دو آدمی ایسے ہوں جنھیں وہ کام سے الگ کیے رہے۔ کیا اس کو اقتصادیات کی اصطلاح میں نفع بخش آدمی کہا جا سکتا ہے اور کیا یہ خود خرابی اور خلل کا پیش خیمہ نہیں ہے کہ عورت گھر کے باہر مردوں کا کام کرے اور کام کرنے والے لوگوں میں سے ایک یا دو آدمی کم ہو کر گھر میں اس عورت کے چھوڑے ہوئے کاموں کو انجام دیں۔ اور اس طرح باضابطہ اور بے ضابطہ ایسے بیکار لوگ لسٹ میں باقی رہیں جن کے نقصان کا کوئی اثر منافع یا خسارے کے بجٹ میں کہیں نظر نہ آئے۔ اور اگر اس کو درست تسلیم کیا گیا کہ سماج کے نصف بے کار مزدوروں کو کام ملے اس لیے عورت کو کام میں لگانا چاہیے۔ تو اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ سماج کے جملہ مزدوروں کو کام سے ہٹا دیا جائے تاکہ ایک عورت کو عوامی کام دیا جا سکے۔] "48[

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، حدیث نمبر:5186

[2] جامع الترمذي، حديث:1163

[3] صحيح البخاري، حديث:4913

سنن أبي داود: کتاب النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث:2142، وشرح السنہ:(160/9)] [4)

[5] صحیح مسلم، حدیث:995

[6] صحیح مسلم، حدیث:994

[7] صحیح مسلم، حدیث:1002

[8] صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب قول اللہ تعالیٰ: قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ۔

[9] تفسیر احسن البیان، مذکورہ آیت۔

[10] سنن أبي داود: کتاب الأدب، باب في اللعب بالبنات حدیث:4932

[11] صحیح البخاري: أبواب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید، حدیث: 949

[12] صحیح البخاري، حدیث:5236,950,454

[13] صحیح البخاري، حدیث:5189

[14] صحیح البخاري، حدیث:6149

[15] البقرة 2:226،227

[16] تفسیر احسن البیان، طبع دارالسلام، لاہور، بحوالہ تفسیر ابن کثیر

[17] سنن أبي داود، حدیث:2124

[18] سنن أبي داود، حدیث:2134

[19] صحیح البخاري، حدیث:676

[20] فتح الباري: 2/212,211، طبع دارالسلام

[21] سنن أبي داود، حدیث:2513

[22] صحیح البخاري، حدیث:5199

[23] صحیح بخاری کتاب الأدب، باب أحق الناس بحسن الصحبة، حدیث نمبر 5971۔

[24]مسند أحمد:6/322

[25]تفسیر احسن البیان

[26]صحیح مسلم،حدیث:1218

[27]سنن آبي داود،،حدیث:2147

[28]سنن آبي داود،حدیث:2146

[29]صحیح البخاري،حدیث:5204

[30]صحیح البخاری،حدیث:5094,5093

[31]

[32]سنن آبي داود،حدیث:3924

[33]سلسلة الأحادیث الصحیحۃ:72?/1،رقم الحدیث:442

[34]شرح معانی الآثار،بحوالہ الصحیحہ للالبانی:728/2،رقم الحدیث:993۔

[35]موارد الظمآن،النکاح،حدیث:1232،الصحیحۃ:509/1،رقم الحدیث:282

[36]فتح الباري،الجهاد،6/77

[37]حوالۂ مذکور

[38]فتح الباری:6/77،مصنف عبدالرزاق:10/411،رقم الحدیث:19527

[39]صحیح البخاري،حدیث:30،وصحیح مسلم،حدیث:1661

[40]صحیح مسلم،حدیث:91

[41]صحیح مسلم،حدیث:2564

[42]صحیح مسلم،حدیث:2564

[43]السنن الکبریٰ للبیہقی:16:3

[44]صحیح مسلم،حدیث:1437

[45]سنن آبي داود،حدیث:495

[46] صحيح البخاري، حديث:5232

[47] صحيح البخاري، حديث:5235

[48] ہمارے قلعوں کو درپیش اندرونی خطرات ، ص: 153/147۔ بحوالہ تحفۃ العروس، ص:310-303

(4) بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق

حقوق مرداں

یعنی بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق

مرد کے ذمے بیوی کے جو حقوق ہیں جن کا ادا کرنا مرد کے لیے ضروری ہے، ان کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہوئی ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیں مرد کے وہ حقوق جو ایک عورت (بیوی) پر عائد ہوتے ہیں یعنی جن کا ادا کرنا عورت کے لیے ضروری ہے۔

مرد اور عورت انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، دونوں پہیے رواں دواں ہوں گے یعنی دونوں کی کارکردگی صحیح اور یکساں ہوگی تو دونوں کی زندگی، جو ایک ہی گاڑی کے سوار ہیں، نہایت خوش گوار گزرے گی، اسی طرح میاں بیوی اگر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض صحیح طریقے سے اور خوش اسلوبی سے ادا کریں گے تو زندگی کے تمام نشیب و فراز میں وہ کامیاب اور سرخ رو رہیں گے، ان کے ملاپ سے ہونے والی نسل بھی سر سبز و شاداب ہوگی جن کے ثمرات و فوائد سے یہ دونوں میاں بیوی بھی فیض یاب ہوں گے اور یہ سعادت مند اولاد ان کے لیے عصائے پیری (بڑھاپے کا سہارا) ثابت ہوگی۔

امہات المومنین کے لیے بیان کردہ احکام میں تمام مومنات کے لیے رہنمائی سب سے پہلے ان عمومی صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے ہر مومن عورت کو متّصف ہونا چاہیے، ان صفات سے آراستہ عورت کے لیے ان خصوصی صفات کا اپنے اندر پیدا کرنا آسان ہو جاتا ہے جو شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ضروری ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے، جن کو اس نے امہات المومنین (مومنوں کی مائیں) قرار دیا ہے، قرآن مجید میں چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا:

يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ

وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾

الأحزاب32:33-34

"اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) آہستگی اور نرمی سے (لوچ دار لہجے میں) بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص، جس کے دل میں روگ ہو، طمع و لالچ کرنے لگے، اور تم سیدھی صاف اچھی بات کہا کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے، اور تمھیں بالکل پاک صاف کردے۔ اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور سنت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو، یقیناً اللہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے۔"

:ان آیات کی مختصر تفسیر حسب ذیل ہے

(1) پہلے جملے میں فرمایا: تمھاری حیثیت اور تمھارا مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے بلکہ اللہ نے تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ سے تمھیں ایک خاص امتیازی مقام حاصل ہے چنانچہ انھیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرکے انھیں کچھ ہدایات دی جارہی ہیں۔ ان کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ نے عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے

فتنے کا باعث نہ بنے۔) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دل کشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بنابریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب و لہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے تمھاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔

(3) بات اگرچہ نرم لہجے کے ساتھ کرنا منع ہے تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔

(4) (اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ) کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آرہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں ہی یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

(5) "گھروں میں ٹک کر رہو۔" اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست و جہانبانی نہیں، معاشی جھمیلے بھی نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ سرانجام دینا ہے۔

(6) پھر گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آجائے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمھارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ جیسے بے پردہ ہو کر نکلو جس سے تمھارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔

(7)"تبرّج" بے پردگی اور زیب وزینت کے اظہار کو کہتے ہیں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما اور دل فریب رکھ لیا جائے۔ برائی سے اجتناب کی ہدایات کے بعد نیکی اختیار کرنے کی ہدایات دی جارہی ہیں لیکن ضمناً "اہل بیت" کی وضاحت بھی فرمادی کہ اس سے مراد کون ہیں؟

(8)یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے کہ ازواج مطہرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو {اہل البیت} کہا گیا ہے۔ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت

کہا گیا ہے، مثلاً:(سورہ ہود 11/73) میں۔اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نصِّ قرآنی سے واضح ہے۔

بعض لوگ بعض روایات کی روسے اہل بیت کا مصداق حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا قرآن کی صراحت کے خلاف ہے۔ حقیقت میں دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نصِّ قرآنی کی وجہ سے اور حضرت علی وفاطمہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم ان روایات کی روسے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر "فتح القدیر" للشوکانی رحمہ اللہ

(9)جن نیکیوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں:

نماز پڑھنا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

اللہ رسول کی اطاعت کرنا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت اور حکمت کی تلاوت کرنا ہے

حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس کو حدیث بھی کہا جاتا ہے۔

(10) مذکورہ نیکیاں کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ وہ بھی بیان فرما دیا، وہ تطہیر ہے یعنی گناہوں سے پاکیزگی اور اخلاق و کردار کی کمزوریوں سے پاکیزگی۔

جب ایک مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت، مذکورہ احکام الہٰی کا پابند، اللہ رسول کی اطاعت کرنے والا اور قرآن وحدیث کو اپنے فکر و نظر اور علم و عمل کا محور بنالے تو اس کے عقائد کی بھی تطہیر ہو جاتی ہے اخلاق و کردار کا بھی تزکیہ ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی سنوارنے کا جذبہ بھی توانا اور قوی ہو جاتا ہے جس کے بعد ہر برائی سے بچنا اور ہر نیکی کا کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اور ایسے مسلمان مرد و عورت، جو حقوق اللہ کے پابند ہو جاتے ہیں، حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب بالعموم نہیں کرتے۔

(5) میاں بیوی کے مشترکہ حقوق

میاں بیوی کے مشترکہ حقوق! جن کی ادائیگی میاں بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے!

اب ملاحظہ فرمائیں شوہر کے وہ حقوق جو عورت کے ذمے ہیں، یعنی جن کا ادا کرنا عورت کے فرائض میں داخل ہے۔ لیکن اس سے پہلے چند وہ حقوق بیان کیے جاتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان مشترک ہیں یعنی دونوں ہی کو ان کی پاسداری کرنی ہوتی ہے۔ مثلاً

(1) ایک حدیث نبوی ﷺ ہے کہ جس میں مرد کو عورت کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے یہ گُر بتلایا گیا تھا کہ اس کی اگر ایک بات ناپسندیدہ ہو گی تو کچھ دوسری باتیں پسندیدہ بھی ہوں گی۔ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ کمزوریوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اگر خوبیوں پر نظر رکھی جائے تو پھر نباہ آسان ہو جاتا ہے۔ حدیث میں یہ بات اگرچہ عورت کے حوالے سے بیان ہوئی ہے اور مخاطب مرد ہیں۔ لیکن اگر عورت بھی اس پر عمل کرے اور خاوند کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اس کی خوبیوں پر نظر رکھے تو اس کے لیے بھی مرد کے ساتھ نباہ آسان ہو جائے گا، یعنی یہ نسخۂ نبوی یا نباہ کرنے کا گر دونوں (میاں بیوی) کے لیے نہایت مفید اور کار آمد ہے۔ کاش مسلمان گھرانے اس پر عمل کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ

البقرة216

''تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو"

(2) حسن معاشرت کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ مرد کسی بھی بات یا مسئلے کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ اسی طرح عورت کے

لیے بھی یہی راستہ بہتر بلکہ مرد کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ عورت کسی بھی مسئلے میں نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اسے انا کا مسئلہ بنائے۔ بلکہ خاوند کے قدم بہ قدم چلے۔ بالخصوص جب بچے جوان ہو جائیں تو ان کے رشتوں کے معاملے میں بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے، عورت اپنے رشتے داروں میں اور مرد اپنے رشتے داروں میں رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے موقعے پر کوئی بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنائے، نہ رشتے داریوں کو دیکھا جائے بلکہ ایک تو شرعی معیار کو سامنے رکھا جائے، دوسرے بچے، بچی کے جذبات اور ان کی پسند کا خیال رکھا جائے۔

(3) خرچ کے معاملے میں عرض کیا گیا تھا کہ مرد نہ بخل کا ارتکاب کرے اور نہ فضول خرچی کا، بلکہ اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کرے۔ عورت کو بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر اخراجات اس کے ہاتھ میں ہوں تب بھی اور اگر خاوند کے ہاتھ میں ہوں تب بھی۔ اور وہ اس طرح کہ وہ مرد کو فضول خرچی یا بخل پر آمادہ نہ کرے۔ فضول خرچ عورت کے ناجائز مطالبات اکثر و بیشتر مردوں کو حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ عام طور پر جو لوگ کہتے ہیں کہ تنخواہ میں یا حلال آمدنی میں گزارا نہیں ہوتا، اس لیے رشوت یا ملاوٹ کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے پیچھے ایمانی کمزوری کے علاوہ ایسی ہی بیویاں ہوتی ہیں جو شوہر کی آمدنی کو دیکھے بغیر آئے دن ایسے مطالبات کرتی رہتی ہیں جو غیر ضروری ہوتے ہیں اور جن کو صرف حلال آمدنی سے پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ظاہر بات ہے اس حرام خوری اور لوٹ کھسوٹ میں جو مرد محض عورت کے مطالبات کی وجہ سے ملوث ہوتا ہے تو عورت بھی برابر کی شریکِ جرم ہو گی۔

(4) عدل و انصاف کا اہتمام جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے جس کی ضروری تفصیل مردوں پر عورتوں کے حقوق کے ضمن میں گزر چکی ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی اس عدل کا اہتمام ضروری ہے، اس کو بھی قدم قدم پر اس کا خیال رکھنا ہے بالخصوص مشترکہ خاندان میں یہ نہایت ناگزیر ہے۔ عورت ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے کہ جس کی وجہ سے مرد اپنی ماں سے یا اپنی بہنوں سے یا دوسری بیویوں سے (ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں) بدظن ہو جائے اور وہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہونے لگے۔

مرد کی اس ناانصافی کی وجہ بالعموم عورت کا غیر منصفانہ رویہ ہی بنتا ہے خوفِ الٰہی رکھنے والی عورت کو اس سے دامن کشاں رہنا چاہیے اور گھر کے تمام افراد کے حقوق خوش دلی سے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ادا کرنے چاہئیں۔

(5) جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی سے بھرپور طریقے سے محبت کرے۔ اسی طرح عورت کا مستقبل بھی تب ہی خوش گوار ہو گا جب وہ ٹوٹ کر اپنے شوہر سے محبت کرے گی۔ اس کے لیے جو جو طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں، وہ ان کو سامنے رکھے اور ہر موقع پر انہیں اختیار کرے۔ ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے کہ جو خاوند کے دل میں اس کے لیے نفرت کی اور کسی اور عورت کے لیے محبت کی تخم ریزی کر دے۔

(6) عورت مرد سے زیادہ مطالبات نہ کرے اور اس پر اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ اٹھا نہ سکے، اس سے بھی تعلقات میں ناخوش گواری پیدا ہوتی ہے جب کہ ضرورت زیادہ سے زیادہ خوشگوار ماحول پیدا کرنے اور اس کو ہر وقت برقرار رکھنے کی ہے۔ اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے جب عورت بھی اپنی چادر کے مطابق ہی پاؤں پھیلائے۔

(7) جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کو عار نہ دلائے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری، اسی طرح عورت بھی مرد کو عار نہ دلائے اور دبی ہوئی چنگاری کو پھونکیں مار کر شعلہ نہ بنائے۔ اس سے اس کا اپنا گھر بھی بھسم ہو سکتا ہے۔

(8) عورت زیب وزینت اختیار کرنے کی مرد سے زیادہ دل دادہ ہوتی ہے اور اس کی ضرورت بھی اس کو مرد سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس میں وہ ہرگز کوتاہی نہ کرے، بالخصوص جب شام یارات کو خاوند کے گھر آنے کا وقت ہو تو وہ صاف ستھرے لباس اور مناسب سولہ سنگھار سے آراستہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ خاوند جب بھی گھر میں آئے تو وہ گھر کی صفائی میں یا کھانا پکانے میں ایسی مصروف ہو کہ اس کو نہ اپنے لباس کا ہوش ہو اور نہ صفائی ستھرائی کا۔

تاہم زیب وزینت کے اختیار کرنے میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے اور آج کل زیب وزینت کے نام پر جس طرح اپنا حلیہ بگاڑ لیا جاتا ہے۔ یا سامان آرائش وزیبائش میں پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ اسی طرح میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کا سہارا لینے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ ان تمام فضولیات اور بے جا اخراجات سے دامن بچاتے ہوئے مناسب زیب وزینت (پرانے روایتی انداز سے) اختیار کر لینا کافی ہے جس میں نہا دھو کر یا ہاتھ منہ دھو کر صاف ستھرا لباس پہننا داخل ہے۔

(9) میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں اور خلوت کی پُرلطف سرگرمیوں کی تفصیل دوستوں کے سامنے بیان کرنا، جس طرح مرد کے لیے جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے بھی اس کا جواز نہیں ہے، عورت بھی اپنی سہیلیوں میں ان کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرے، یہ بہت بڑا گناہ ہے چاہے مرد کرے یا عورت۔ اس پر دنیا و آخرت میں عذاب الیم کی شدید وعید وارد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

النور19

"جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

(9) خاوند اگر دینی شعور سے بے بہرہ ہے اور عورت دینی تعلیم سے آراستہ ہے تو عورت بتدریج اس کو دینی تعلیمات سے آگاہ کرے، اس کو مساجد میں خطبات جمعہ سننے، علماء کے دروس وخطابات سننے کی ترغیب دے اور اس کو دینی لٹریچر بالخصوص قرآن کریم کی تفسیر اور سیرت کی کتابیں پڑھنے پر آمادہ کرے تاکہ دونوں مل کر گھر میں دینی ماحول پیدا کریں اور اپنی نسل نو کی دینی ماحول میں تربیت کریں۔

(10) دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دین پر عمل کرنے کی ترغیب دیں، ایمان و تقویٰ والی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کریں اور دین کے حوالے سے جو کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوں، وہ ایک دوسرے کو تبلیغ و تلقین کے ذریعے سے دور کریں۔ جیسے ایک حدیث میں ایسے میاں بیوی کے لیے یہ فضیلت وارد ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی، وَأَیْقَظَ اِمْرَأَتَہُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأَۃً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَأَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَإِنْ أَبَی نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ'۔ [1]

(11) اس آدمی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی اس کام کے لیے جگاتا ہے، اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے (تاکہ اس کے لیے اٹھنا آسان ہو جائے) اس عورت پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی اٹھاتی ہے، اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے (تاکہ وہ بیدار ہو جائے اور نماز پڑھے)۔"

جب نفلی نماز کے لیے ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ کے رسول ان کے لیے دعائے رحمت فرما رہے ہیں تو فرضی نماز میں ایک

دوسرے کو سستی نہ کرنے دینا اور اس کی پابندی کروانا اور اس طرح دیگر احکامِ الٰہیہ اختیار کرنے کی ترغیب دینا کتنا فضیلت والا عمل ہوگا؟

اور جب دونوں میاں بیوی اس طرح مل جل کر دین کی پابندی کریں گے تو پھر زندگی کے تمام معاملات میں ان کے لیے دین پر عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، کیونکہ دونوں دین کے شناسا اور دین پر عمل کرنے کے جذبے سے سرشار ہوں گے۔ علاوہ ازیں پھر نوجوان اولاد کو بھی دین سے سرتابی کرنے کی اور رسم دنیا کو اہمیت دینے کی جرأت نہیں ہوگی۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔

اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی دونوں میاں بیوی کی مشترکہ ذمے داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کرکے فرمایا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں:

[یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا] [التحریم 6]

''اے ایمان والو! تم اپنے کو بھی اور اپنے اہل (گھر والوں) کو بھی آگ سے بچاؤ۔''

اسی طرح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

'اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ'

''تم سب کے سب نگران اور رکھوالے ہو اور تم سب سے ان لوگوں کی بابت پوچھا جائے گا جن کے تم نگران اور رکھوالے ہو۔''

اسی حدیث میں آگے فرمایا:

'امام (خلیفۂ وقت) لوگوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی رعیت (اہل خانہ) کی بابت پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا...۔' '[2]

قرآن کریم اور فرمان رسول کی رو سے جس طرح میاں بیوی دونوں کو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے، اسی طرح دونوں کی یہ ذمے داری بھی ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کا اور احکام شرعیہ کا پابند بنائیں تاکہ وہ بھی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

" 'جس دن آگ میں ان کے چہرے الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت (اور زیادہ) لعنت کر۔"

جو والدین اپنے بچوں کی دنیوی تعلیم کا، ان کی پوشاک و خوراک کا، ان کی پر آسائش رہائش کا اور دیگر تمام ضروریات کا اپنی طاقت کے مطابق اہتمام کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں یا تجارت و کاروبار میں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں اور دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں لیکن وہ دین و شریعت سے ناآشنا اور احکام و فرائض اسلام سے بیگانہ اور غافل رہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان کی دنیا کی چند روزہ زندگی تو آرام و راحت سے گزر جائے گی، لیکن ان کی آخرت کی دائمی زندگی جو برباد ہو جائے گی، اس کی ذمے داری سے والدین کو کس طرح بری قرار دیا جا سکے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے بچے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کریں جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھینچا ہے۔

[يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا 66 وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا 67 رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا 68] [الأحزاب 66-68]

(12) اسلام میں فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں، تلاوت قرآن میں، نوافل میں اور اسی طرح کے دیگر نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کا حکم ہے کیونکہ انسانی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی

ہے۔ان لمحات کو لایعنی مصروفیات میں،لغویات میں اور بے ہودہ لہو و لعب میں برباد کر دینا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

''دو نعمتیں ہیں جن کی قدر و قیمت کو نہ سمجھنے والے لوگ زیادہ ہوں گے اور پھر کف ِافسوس ملیں گے (وہ کون سی ہیں؟) صحت اور فرصت۔''

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ

[3]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ

المنشرح 7،8

''جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کریں اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کریں۔''

فارغ سے مراد ہے۔نماز سے،یا دعوت و تبلیغ سے،یا جہاد سے اور اسی طرح کے دیگر فرائض سے فارغ ہو جائیں تو نفلی عبادات اور ذکر و دعا میں اتنی محنت کریں کہ آپ تھک جائیں اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع اور رغبت کریں۔

دوسرے مقام پر اللہ نے کامیاب ہونے والے مومنوں کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی:

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

المؤمنون:13

''وہ لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔''

ایک اور مقام پر عباد الرحمن (اللہ کے خاص بندوں) کی خاص صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا

الفرقان:72

"اور جب کسی لغو کام پر ان کا گزر ہو تو وہ عزت ووقار (خاموشی) سے گزر جاتے ہیں اس میں شریک نہیں ہوتے۔"

لغو کیا ہے؟لغو ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو،یا اس میں دینی یا دنیوی نقصان ہو۔ان سے اعراض کا مطلب ہے،ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے چہ جائیکہ انھیں اختیار اور ان کا ارتکاب کیا جائے یا ان میں شرکت کی جائے۔

ہمارے معاشرے میں لغویات یعنی بے فائدہ یا نقصان دہ چیزیں عام ہیں جن کو ہم اختیار کرتے ہیں یا ان میں شرکت کرتے ہیں۔

جیسے گپ شپ کی محفلیں۔

چغلی اور بدگوئی کی محفلیں۔

بدعات کی محفلیں اور بدعی کام۔

شادی بیاہ کی بہت سی رسومات،جیسے مہندی،ڈھولکی وغیرہ۔

کھیلوں کے میچ،جن کو گھنٹوں ٹی وی پر دیکھا جاتا ہے۔

فحش ڈرامے،فلمیں اور اسی طرح کے دیگر بہت سے پروگرام۔

شطرنج،تاش،لڈو وغیرہ اور آج کل کے بعض جدید کھیل۔

عشقیہ اور جاسوسی ناول اور افسانے،کہانیاں وغیرہ۔

اور اس طرح کی متعدد سرگرمیاں اور حرکتیں۔

یہ سب تقاضائے ایمان کے خلاف ہیں۔مومن مرد ہو یا عورت،بوڑھا ہو یا جوان،ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ،سب کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے اور وہی کام کرنے چاہئیں جن کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ ہو اور شریعت میں ناپسندیدہ نہ ہو۔

علاوہ ازیں ٹیلی ویژن اس دور کی ایسی شیطانی ایجاد ہے جو متعدد خرابیوں اور نافرمانیوں کا مجموعہ ہے، ان سے معصوم بچوں کے اخلاق و کردار بھی بگڑتے ہیں، بچے دین سے دور ہوتے ہیں، ان کی پڑھائی میں اس سے بہت خلل پڑتا ہے، بچوں کی آنکھیں بھی اس سے متاثر ہوتی ہیں، وقت کا ضیاع ہوتا ہے، اس کی وجہ سے راتوں کو دیر سے سونا اور صبح دیر سے اٹھنا معمول بن جاتا ہے جس سے نمازیں بالخصوص فجر کی نماز اکثر ضائع ہو جاتی ہے۔

کیبل اور انٹرنیٹ اور موبائل تو ٹی وی سے بھی زیادہ خطرناک اور مذکورہ خرابیوں کے مظہر ہیں۔ ان سب سے اپنی اولادوں کو بچانا میاں بیوی دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ اگر گھر ان لعنتوں سے پاک ہے تو نہ عورت کو ان چیزوں کو لانے اور گھر میں رکھنے کا مطالبہ کرنا چاہیے اور نہ مرد ہی کو بیوی یا بچوں کی خواہش پر ان کا انتظام کرنا چاہیے۔

دونوں کو مل کر بے حیائی کے اس طوفان سے، ایمان و اخلاق کے اس غارت گر سیلاب سے اور الحاد و زندقہ کے اس شیطانی جھکڑ سے اپنے گھر کو اور اپنی اولاد کو بچانے کی سعی کرنی چاہیے۔

موبائل فون بلاشبہ ایک ناگزیر ضرورت بن گئے ہیں۔ لیکن موبائل کمپنیوں نے پیسے کمانے کے لالچ میں جو سستے پیکج عام کر دیے ہیں، جس کی وجہ سے چند روپوں سے آپ گھنٹوں باتیں کر سکتے ہیں۔ اس ارزانی نے نوجوان بچوں او بچیوں کے درمیان ناجائز مراسم اور رابطوں کو بہت آسان کر دیا ہے۔ اس کے جو خطرناک معاشرتی نتائج نکل رہے ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

بنا بریں نوجوان بچوں، بچیوں کو موبائل رکھنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت و نگرانی کا مؤثر انتظام کرنا بھی دونوں میاں بیوی کی نہایت اہم ذمے داری ہے۔ اسی طرح کزنوں کے ساتھ اور تعلیمی اداروں میں ایک ساتھ پڑھنے والوں کے ساتھ

بچیوں کے تعلقات پر بھی نظر رکھیں۔ ان سے تھوڑا سا میل جول اور معمولی سا ربط و تعلق موبائل کے ذریعے سے پروان چڑھتا ہے اور اس کے ذریعے سے باہم گفتگو اور پیغام رسانی فاصلوں کو کم کرتے کرتے قربتوں اور باہم عہد و پیمان کی راہیں ہموار کر دیتی ہے اور یوں معاملہ کورٹ میرج، سیکرٹ میرج (خفیہ شادی) اور لو میرج تک پہنچ جاتا ہے۔

اولاد کے اس صورت حال تک پہنچنے یا پہنچانے میں والدین ہی کی کمزوری، عدم توجہ اور اولاد کی طرف سے غفلت و بے اعتنائی ہی کا دخل زیادہ ہے اور اس سے وہ بالکل بریٔ الذمہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

٭صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنے کے بھی یکساں طور پر دونوں میاں بیوی ذمے دار ہیں۔ صلہ رحمی کا مطلب ہے، رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا، ان سے اچھا رویہ اختیار کرنا، قطع رحمی کے باوجود رشتہ و تعلق برقرار رکھنا، حتی کہ بد سلوکی کے جواب میں بھی حسن سلوک کرنا۔ مرد کو چاہیے کہ وہ سسرالی رشتوں کو اور عورت بھی اپنے خاوند کے رشتے داروں سے تعلق کو اچھی طرح نبھائے۔ ان دو طرفہ رشتے داریوں کو تیرے میرے کی بھینٹ نہ چڑھنے دیا جائے، بلکہ دونوں خاندانوں کے ساتھ دونوں میاں بیوی محبت اور احترام کا تعلق قائم رکھیں اور کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ دیں۔ اور چھوٹی موٹی باتیں ہوں تو ان کو نظر انداز کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔

عورت جب نئے گھر میں آتی ہے تو یہاں خاوند کے والدین، اس کی بہنیں اور بعض دفعہ دوسرے بھائیوں کی بیویاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح خاوند کا معاملہ ہے جس گھرانے میں وہ بیاہا گیا ہے، اس گھرانے کے افراد سے بھی اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے مرد ہو یا عورت، جس جس سے بھی ان کا تعلق ہو، ان سے تعلقات کو حسب مراتب نبھانا اور حسن اخلاق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے خوش اسلوبی سے ہر ایک کا حق ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ نہ کسی کی حق تلفی ہو، نہ

کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کامعاملہ اور نہ کسی کی توہین اور بے ادبی اور نہ کسی پر الزام اور بہتان تراشی، نہ غیبت اور بدگوئی۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے جن میں کوتاہی اس وقت تک معاف نہیں ہوگی جب تک دنیا میں ان کا اازالہ نہیں کرلیا جائے گا ورنہ روزِ قیامت ان کوتاہیوں کی تلافی آپ کی نیکیاں ان میں تقسیم کرکے کی جائے گی، پھر بھی نہیں ہوگی تو ان کے گناہ آپ کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس کا جو نتیجہ ہوگا، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

جس طرح مرد کے لیے ہم بیان کر آئے ہیں کہ عورت جس طرح شب وروز گھریلو معاملات سرانجام دیتی ہے اور صبح سے رات تک کام میں جتی رہتی ہے بلکہ رات کو خاوند کی خدمت اور خواہش پوری کرنے میں بھی خوش دلی سے تعاون کرتی ہے، مرد کو چاہیے کہ اس کی ان خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرے، اس سے اس کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور مزید محنت سے گھر کو چلانے اور سنوارنے کا جذبہ بھی قوی اور توانا ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی چاہیے کہ مرد گھر کا انتظام کرنے اور گھریلو ضروریات پوری کرنے میں گھر سے باہر رہ کر جو محنت اور جدوجہد کرتا ہے، اس میں وہ اپنے آرام وراحت کی بھی پروا نہیں کرتا تاکہ گھر والوں کو آرام وراحت نصیب ہو، وہ مرد کی ان خدمات کا اعتراف کرے اور اس کے لیے جذباتِ تشکر کا اظہار کرے۔ یہ شرعاً بھی ضروری ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی اس کے بڑے فوائد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ'

[4]

' 'جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔"

مذکورہ چند خصوصیات وہ ہیں جو مرد اور عورت دونوں میں ہونی چاہئیں۔ یہ گویا اقدار مشترکہ ہیں جن کا دونوں میں ہونا ضروری ہے۔

[1]سنن أبی داود، حدیث:1308
[2]صحيح البخاري، حديث:۔7138
[3]صحيح البخاري، حديث:6412
[4]جامع الترمذي، البر والصلة، حديث:1955
[1]سنن أبی داود، حدیث:1308
[2]صحيح البخاري، حديث:۔7138
[3]صحيح البخاري، حديث:6412
[4]جامع الترمذي، البر والصلة، حديث:1955

(6) شادیاں ناکام کیوں ہوتیں ہیں؟

اللہ رب العالمین جو تمام کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ اس نے اس کائنات کو بے مقصد نہیں بنایا بلکہ ایک مقصد کے تحت اس کی تخلیق فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

الذاریات:56

یعنی اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس مقصد کے تحت افزائش نسل کا بھی انتظام فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا

سورۃ النباء:8

یعنی اور تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا۔

نیز ہر جنس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

الذاریات:49

یعنی: اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کر دیئے شاید تم (ان سے) سبق حاصل کرو۔

چونکہ جن وانس شرعاً مکلف بنائے گئے ہیں، لہذا انہیں افزائش نسل کے لئے نکاح کا پابند کیا گیا یعنی نکاح کا مقصد صرف جنسی تسکین نہیں ہے اسی لئے نکاح کے تعلق سے چند امور کو بہت اہمیت و تفصیل سے بتایا گیا کہ نکاح میں تطہیر نسل ہے اس وجہ سے زنا اور نکاح کے نام پر زنا کی مختلف صورتیں شرعاً حرام قرار دی گئی ارشاد باری تعالیٰ

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا

الاسراء:32

یعنی اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔ اسی طرح نکاح شغار سے بھی منع فرمایا وٹے سٹے کا نکاح جبکہ ان کے نکاح کے درمیان حق مہر بھی نہ ہو۔ نیز نکاح متعہ، بھی حرام ہیں۔

حدیث میں ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے:

"عن علی بن أبي طالب رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء يوم خيبر"

یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ ایگریمنٹ نکاح سے منع فرمایا۔

اس میں تحفظ ہے محترم رشتوں کا اس وجہ سے سورۃ نساء کی آیت

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا

سورۃ النساء 23

یعنی تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں پرورش پا رہی ہوں بشرطیکہ تم اپنی بیویوں سے صحبت کر چکے ہو۔ اور اگر ابھی تک صحبت نہیں کی، تو ان کو چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی (تم پر حرام ہیں) جو تمہاری صلب سے ہوں۔ نیز یہ کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کر لو۔ مگر جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا

ہے۔اور شادی شدہ عورتوں سے بھی نکاح نہ کرو۔ مگر وہ کنیزیں جو تمہارے قبضہ میں آجائیں۔

ان مذکورہ خواتین سے نکاح حرام قرار دیا گیا اس میں تطہیر عقائد کا بھی لحاظ رکھا گیا: ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ

سورۃ البقرۃ:221

یعنی اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

نیز سورۂ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد باری تعالی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا

سورۃ البقرۃ21

یعنی لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے (دنیا میں) بہت سے مرد اور عورتیں پھیلادیں۔ نیز اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور قطع رحمی کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تم پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہے۔

آیت کریمہ کے ترجمے سے ہی یہ مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا اور یوں ہم جنس پرستی کا بھی خاتمہ فرمادیا۔ اب تک کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح میں شرعاً درج ذیل امور کی رعایت کی گئی ہے:

تطہیر نسل، محترم رشوں کی عصمت کا تحفظ، تطہیر عقائد، نیز ہم جنس پرستی سے بھی روکا گیا ہے۔ ارکان نکاح، لڑکی اور اس کے ولی کی رضامندی، گواہوں کا ہونا، حق

مہر مقرر کرنا اور لڑکے کا قبول کرنا ان تمام کے دلائل ذیل میں درج کئے جاتے

ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ:

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا

البقرۃ:221

یعنی اور مشرک مردوں سے (اپنی عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ

لے آئیں۔

یہ خطاب ولی کو ہے، ولی کی اہمیت بتائی جا رہی ہے۔

اگر شوہر نے ایک مرتبہ طلاق دے دی اور پھر عدت گزر چکی اب اگر

سابقہ زوجین ملنا چاہیں ایسے موقع پر بھی ولی کی اہمیت برقرار رکھی گئی اور اسے

مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ

سورۃ البقرۃ:232

یعنی انہیں اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ معروف

طریقے سے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہوں۔

یعنی تم انہیں نہ روکو نکاح سے یہ خطاب عورت کے ولیوں کو ہے جبکہ یہ باہم

رضامند ہو، تو تم انہیں نکاح سے نہ روکو یعنی تم انہیں نکاح کی اجازت دے دو۔ گواہان

کے تعلق سے مسند احمد میں حدیث ہے لانکاح الا بولی و شاھدی عدل یعنی

بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

اور سورۂ نساء میں فرمایا

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً

النساء:4

یعنی نیز عورتوں کو ان کے حق مہر بخوشی ادا کرو۔

مزید اس حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج

صحیح بخاری 2721

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شرطیں سب سے زیادہ پوری کئے جانے کی مستحق ہیں جن کے ذریعہ عورتوں کی شرمگاہوں کو حلال سمجھا گیا۔

اب جب قبول کا مرحلہ آتا ہے ارشاد باری تعالی

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا

سورۃ النساء:03

یعنی عورتوں میں سے جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو، دو دو، تین تین، چار چار سے، لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی یہ زیادہ قریب ہے (کہ ایسا کرنے سے ناانصافی اور) ایک طرف جھکنے سے بچ جاؤ۔ یعنی تم ان عورتوں سے جو تمہارے لئے حلال ہیں نکاح کرو اس جگہ نکاح کرنے والے کو ولی یا گواہوں کا پابند نہیں کیا گیا۔

مزید ارشاد فرمایا:

أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ

24سورۃ النساء:

یعنی: تمہارے لئے جائز قرار دیا گیا ہے کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے تلاش کرو، بشرطیکہ تمہارا مقصد نکاح میں لانا ہو محض شہوت رانی ہو۔

نکاح کے تعلق سے شریعت ولی کو چند احکامات کا پابند کرتی ہے۔

کہ وہ بیٹی کی جائز خواہشات کا احترام کریں اسے سمجھنے کی کوشش کریں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها

سنن ابی داؤد:2098

یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیبہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے
بنسبت اپنے ولی کے اور باکرہ سے اس کے نفس کے متعلق (نکاح کی) اجازت لینی
چاہیئے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

مذکورہ روایت کے مفہوم سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ نکاح خواہ کنواری لڑکی کا ہو یا بیوہ کا ان کی
اجازت، ان کا رضامند ہونا ضروری ہے۔

طلاق :

طلاق کا لغوی معنیٰ جدائیگی ہے جبکہ شرعی اصطلاح میں طلاق کا معنیٰ ہے جب
زوجین یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر اس کا
واحد حل طلاق ہے۔

شوہر نے باری تعالیٰ کے فرامین پر عمل کرتے ہوئے اس سلسلہ میں سورۂ نساء
کی آیت

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ

سورۃ النساء:34

یعنی انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو۔
کے تحت اسے نصیحت کرکے گھر میں رہتے ہوئے اس سے بستر الگ کرکے یا کچھ
مار پٹائی سے اسے راستہ پر لانے کی کوشش کی۔ اب اگر معاملہ اس سے بھی تجاوز
کر جائے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ
اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا

سورۃ النساء35

یعنی اور اگر تمہیں زوجین کے باہمی تعلقات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک ثالث
مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کر لو۔ اگر وہ دونوں

صلح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت پیدا کردے گا۔ اللہ تعالیٰ یقینا سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

یعنی دونوں فریق کی طرف سے بااثر لوگوں نے معاملہ سلجھانے کی کوشش کی لیکن بالآخر معاملہ طلاق پر ہی منتج ہوا۔

شرعاً اگر نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو طلاق کے استعمال کو آخری حل کے طور پر کیا جاسکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ:

وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا

سورۃ النساء:130

یعنی اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کردے گا اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے۔

یعنی اگر ان کے درمیان جدائی (طلاق) واقع ہو چکی ہے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ:

جہاں تک طلاق دینے کا تعلق ہے، اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ حالت طہر میں طلاق دی جائے ایسا طہر جس میں ازدواجی معاملات نہ ہوئے ہو۔ ایک وقت میں ایک ہی طلاق دی جائے۔ اور طلاق دیتے وقت دو آدمیوں کو گواہ بنالیا جائے، اس کی دلیل سورہ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا

سورۃ الطلاق 01

یعنی: اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور خدا سے جو تمہارا

پروردگار ہے ڈرو۔(نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) انکے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ خدا کی حدیں ہیں۔ جو خدا کی حدوں سے تجاوز کریگا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔(اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید خدا اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کردے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ

البقرہ229

یعنی طلاق رجعی دو مرتبہ ہے، یعنی ایک بار طلاق دینے کے بعد رجوع کا اختیار دو مرتبہ ہے، پھر چاہے تو تیسری بار طلاق دے کر اس کو فارغ کردیں یا اس کو طلاق نہ دے اور اپنے نکاح میں رکھے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی عام طور پر ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ساتھ دینے کا رواج نہیں تھا۔

البتہ اگر ایسا واقعہ پیش آیا تو آپ نے تینوں طلاقیں نافذ نہیں کی بلکہ اسے ایک ہی کے حکم میں شمار کیا یا اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ جس کی تفصیل کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

نوٹ: موجودہ حالات میں اس امر کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ لوگوں کو طلاق دینے کا صحیح طریقہ بتایا جائے

خلع:

شرعاً فسخ نکاح کی ایک صورت ہے جس میں بیوی کسی معقول وجہ سے شوہر کے ساتھ نباہ نہیں کرسکتی اور وہ طلاق چاہتی ہو، تو وہ اپنا حق مہر شوہر کو واپس کرے گی۔ نیز اگر شوہر حق مہر کے علاوہ بھی مزید کچھ مطالبہ کرتا ہے تو بیوی وہ بھی دے کر اپنے آپ نکاح کے بندھن سے آزاد کرواسکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ

سورۃ البقرۃ آیت نمبر 229

یعنی عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے، اس پر دونوں پر گناہ نہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: مَا أَعۡتِبُ عَلَيۡهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ، یعنی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے کسی بری عادت یا دینداری کی وجہ سے ناراض نہیں ہوں، لیکن میں حالت اسلام میں ناشکری نہیں کرنا چاہتی ہوں، تو آپ نے اس سے پوچھا: أتردين حديقته عليه.. یعنی کیا تو اس کا باغ اس کو واپس کرنے کو تیار ہے؟ اس نے جب ہاں میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خاوند (ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) کو بلوا کر فرمایا: اقبل الحديقة و طلقها تطليقة یعنی اپنا باغ لے لو اور اس کو چھوڑ دو

صحیح بخاری: 5273

خلع کے حوالے سے چند امور قابل غور ہیں۔

۔یہ عورت کے مطالبہ پر ہوگا۔

۔وہ حق مہر واپس کریگی

۔اس میں رجوع نہیں ہو سکتا۔

۔اس کا نفاذ حکومت کی طرف سے ہوگا، یا پنچائیت بلا کر کروایا جائے۔

خلع کی عدت ایک ماہ ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔

سنن ابی داؤد

یہ تمام امور اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ خلع کی حیثیت طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔

شادیاں ٹوٹنے کے اسباب:

ہمارے معاشرے میں اکثر شادیاں جو ناکام ہو جاتی ہیں اور ان کا انجام خلع یا طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں جنہیں چند ایک جو زیادہ اہم ہے اس کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے۔

(1) رشتہ کرتے وقت معیار دین کو نہ بنایا جانا

عام طور پر رشتہ کرتے وقت یہ تو معلوم کیا جاتا ہے کہ لڑکا کہاں ملازمت کرتا ہے؟ کتنا کماتا ہے؟ گھر اپنا ہے کہ نہیں اور اگر ان سوالات کے جواب مطمئن ہوتے ہیں تو رشتہ کر دیتے ہیں، لیکن لڑکے کا دینی معاملہ کیسا ہے؟ عقیدۃً و عملاً صوم و صلوۃ کا پابند ہے یا نہیں؟ حلال کماتا ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے کوئی چھان بین نہیں کی جاتی حالانکہ احادیث میں اس حوالے سے بھی رہنمائی موجود ہے جیسا کہ ابو هریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

]اذا خطب الیکم من ترضون دینه و خلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فتنة من الارض و نساء عریض([
رواه الترمذی

یعنی جب تمہارے پاس ایسے شخص کی طرف سے نکاح کا پیغام آئے جس کے دین و اخلاق سے تم خوش ہو تو اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑے فسادات رونما ہونگے۔

(2) کورٹ میرج، یعنی بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر لینا:

لڑکیوں کا گھر سے اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہو کر کورٹ چلے جانا۔ اور یہ بیان دینا کہ میں عاقلہ بالغہ ہوں اور میں اپنی خوشی سے اس سے نکاح کرنا چاہتی ہوں

۔مجھے اس پر پورا اعتماد ہے اور یوں اسے کورٹ سے شادی کا اجازت نامہ دے دیا جاتا ہے۔
اور پھر نکاح کے کچھ عرصہ کے بعد ہی لڑکی کو اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ میں نے انتہائی قدم اٹھا کر غلطی کی، جب آشنا فرار ہو جاتا ہے۔

(3)اولاد کی دینی تربیت نہ ہونا:

اولاد کی دینی تربیت کے اعتبار سے والدین صرف اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ بیٹی کو قرآن مجید ناظرہ پڑھا دیا جائے، نماز پڑھنا آجائے، تاکہ رمضان میں یا جمعہ کے دن اس کا اہتمام کرلیا جائے قرآن کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی رمضان میں پڑھ لینا چاہئے یا کبھی صرف میت کے مسئلہ میں ایک آدھا پارہ پڑھ لیا جائے، جبکہ دینی اعتبار سے تربیت میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس میں ان احکامات پر توجہ دلانا جن کا تعلق خواتین ہی سے ہے، جیسے پردے کے احکامات خانگی مسائل سے واقفیت ہونا بہت ضروری ہے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اپنی بچیوں کو سورہ نور کی تعلیم دو، آج کل والدین سہولت کی خاطر بہت سی جگہوں پر خواتین کو اس طرح کہ مختصر کورس کروالے جاتے ہیں جس سے ایک عورت کو اچھی خاصی دینی معاملات سے آگاہی ہو سکتی ہے۔

خلع کے اسباب تو بہت ہیں۔مثلاً والدین کا اپنی بیٹیوں کی صحیح دینی بنیادوں پر تربیت نہ کرنا بلکہ بیٹی کی غلطی پر بھی اس کی سائیڈ لینا اس کی حوصلہ افزائی کرنا، اس طرح کا معاملہ بالآخر خلع پر ہی منتج ہوتا ہے۔

کئی والدین تو ایسے بھی دیکھنے میں آئیں کہ شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہوتا اور آپس میں نباہ کی صورت بنتی نظر نہ آرہی ہو تو خود ہی خلع کے کاغذات بنوا کر لڑکے کو جبراً سائن پر مجبور کرتے ہیں، حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ بیٹی کو سمجھاتے طرفین سے بڑوں کو بٹھا کر معاملہ سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس قسم کے والدین کے لئے جناب عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس میں وہ اپنی بیٹی کو بہت ہی ناصحانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں دیکھو بیٹی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا میں تمہیں وہ چیز مہیا کروں گا۔

دیکھو تم اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان نہ کرنا، نہ ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی ریس کرتے ہوئے ایسا مطالبہ کرنا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے

صحیح بخاری: کتاب النکاح باب عظۃ الرجل ابنتہ

مذکورہ بالا واقعہ والدین کو یہ پیغام دیتا ہے کہ ماں باپ کو بیٹی کا گھر بسانے کے لئے کتنی کوشش کرنی چاہئے اور کس قدر سنجیدہ ہو کر اس بارے میں سوچنا چاہئے۔

نیز ہر اس رویہ اور عمل کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے جس سے بیٹی کو بلاوجہ شہ ملے اور اس کا گھر برباد ہو۔

اسی طرح لڑکی کی مرضی کے بغیر جبراً رشتہ طے کر دینا جبکہ لڑکی کسی معقول وجہ سے انکار کر رہی ہو اس قسم کی شادیوں کا بالآخر انجام خلع پر ہی منتج ہوتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خنساء بنت خذام کا معاملہ آیا ان کے والد نے ان کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نکاح کو رد کر دیا۔

”عن خنساء بنت خذام الأنصارية أن أباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلک فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها“

صحیح بخاری: 6945

(7) گھرکا ماحول پرسکون اور خوشگوار کیسے بنائیں! شریعت مطہرہ کی روشنی میں چند رہنما اصول

الشیخ عبداللہ شمیم حفظہ اللہ

مسائل اور پریشانیاں ہر گھر کا مسئلہ ہے، جس کی وجہ سے گھر میں آرام و سکون نہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے برکتی بھی پیدا ہوتی ہے، ان مسائل سے آگاہی اور ان کا تدراک خوشحال گھرانے کے لیے ضروری ہے۔ سکون، اطمینان اور برکت اللہ تعالیٰ کچھ اسباب کے ذریعے سے فراہم کرتا ہے۔ لہذا ان اسباب کو سمجھ کر اپنے گھروں میں رائج کرکے ماحول کو پرسکون بنانا ضروری بھی ہے اور ذمہ داری بھی۔ گھر دو چیزوں کا نام ہے، ایک گھر کے در و دیوار، دوسرا گھر میں رہنے والے افراد۔ گھر کی خوبصورتی جہاں در و دیوار سے ہوتی ہے وہیں سکون واطمینان کے حصول کے لیے، افراد کے باہمی روابط اور خوشگوار ماحول سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک نعمت گھر ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا

)النحل:80(

ترجمہ: ”اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے تمہارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ“۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایک خاص نعمت کا ذکر فرما رہا ہے جو گھر کی صورت میں ہے جو کہ انسان کے لیے جائے پناہ بھی ہے اور مکان استقرار بھی۔ مزید کئی فوائد بھی اسی جگہ سے منسلک ہوتے ہیں“۔

تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ النحل:80

گھر وہ جگہ ہے جہاں انسان کی عزت محفوظ رہتی ہے، کیونکہ گھر ہی ہے جہاں عورت مستور ہوتی ہے اور اپنے آپ کو محفوظ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ

(الاحزاب:33)

ترجمہ: "اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو"

لہذا گھر وہ نعمت ہے جہاں انسان اپنے اکثر اوقات اَحسن انداز سے گزارتا ہے گرمی کی شدت اور سردی کی سختی سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ اپنی خلوت واجتماع کے لمحات بھی یہیں بسر کرتا ہے۔

اس نعمت کا صحیح ادراک ان لوگوں کے مشاہدہ سے ہوتا ہے جو لوگ اس نعمت سے محروم ہیں، جن کی زندگی کے شب وروز کھلے آسمان تلے بسر ہوتے ہیں انہیں آرام کے لیے چار دیواری میسر نہیں ہے۔

اس نعمت کی اہمیت کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طوبى لمن ملك لسانه ووسعه بيته وبكى على خطيئة

معجم طبرانی (2340) صححه الالبانی وصحيح الجامع (3928)

کامیابی کی خوشخبری ہے ایسے شخص کے لیے جو اپنی زبان پر کنٹرول رکھتا ہے، اور اس کے لیے اس کا گھر کافی ہے اور اپنے گناہوں پر روتا ہے"۔

تو گھر کے درو دیوار کی کشادگی وتزئین اللہ کی نعمت ہے جس کی قدر کرنا ہمارے لیے لازم ہے۔

گھر میں برکت سکون اور اطمینان بھی اللہ کی نعمت ہے اور دین اسلام نے حصول برکت کے کچھ اسباب ذکر کیے ہیں، جنہیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(1) ایک دوسرے کا احساس:

گھر کے افراد کا باہمی ربط اور ایک دوسرے کے حال احوال سے مطلع ہونا شرعی تقاضہ ہے، جب قومِ نوح پر عذاب آیا تو جناب نوح علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں استدعا کی:

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

)هود:45(

ترجمہ:"اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، پس کہا اے میرے رب! بیشک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے"۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے اس بیٹے کی فکر بھی کی جو کہ کافر اور مستحق عذاب تھا۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کو ایسی ہی فکر اپنے والد کے لیے تھی چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ کتنے پیارے اور میٹھے انداز میں اپنے والد کو سمجھانے کی کوشش کی۔

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا

)مریم:42(

ترجمہ:"اے میرے پیارے والد! تو اس چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تیرے کسی کام آتی ہے؟"۔

آخر میں یہ فکر بھی لاحق تھی کہ یہ سرکشی کہیں میرے والد کو برباد نہ کر دے۔

یہی ابراہیم علیہ السلام تھے جب فرشتوں نے ان کے سامنے قوم لوط پر عذاب کا ذکر کیا تو فوراً جناب لوط علیہ السلام کا احساس کرتے ہوئے کہنے لگے

]قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا[

ترجمہ:"اس نے کہا اس میں تو لوط ہے"۔

ایک دوسرے کا احساس، ضرورت کے وقت کام آنا سنت انبیاء بھی ہے اور شرعی تقاضا بھی جو کہ سکون واطمینان کی اساس وبنیاد ہے۔

لہذا ضرورت ہے کہ ہم گھر کے ہر فرد کا احساس کریں اور اس حوالہ سے اپنی ذمہ داری ادا کریں۔

(2) نیک سیرت ہم سفر کا انتخاب:

ہر گھر کی بنیاد شوہر اور بیوی ہیں، لہذا ایسی عورت کو بطور بیوی انتخاب کیا جائے جو اپنے اخلاق وسیرت کے اعتبار سے نمایاں ہو، اور اخلاق وسیرت میں بنیادی امر دین ہے۔ اسی بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك

صحیح البخاری: باب الأكفاء فی الدين، كتاب النكاح حديث: 5090

ترجمہ: "عورت سے چار چیزوں کو سامنے رکھ کر نکاح کیا جاتا ہے (1) مالداری کی وجہ سے (2) حسب ونسب کے سبب (3) حسن وجمال کی وجہ سے (4) دینداری کی وجہ سے"۔

نیز فرمایا:

الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ

صحيح المسلم: باب خير متاع الدنيا والمرأة الصالحة، كتاب الرضاع حديث: 1469

ترجمہ: "دنیا سازوسامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک بیوی ہے"۔

بلکہ تعلیما یہ بھی فرمادیا 'لِيَتَّخِذْ أَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا، وَلِسَانًا ذَاكِرًا، وَزَوْجَةً مُؤْمِنَةً تُعِينُ أَحَدَكُمْ عَلَى أَمْرِ الْآخِرَةِ

سنن ابن ماجه: باب أفضل النساء، كتاب النكاح، حديث: 1856

ترجمہ: "تمہارے پاس شکر گزار دل ہو، ذکر کرنے والی زبان ہو اور مومنہ بیوی جو آخرت (میں کامیابی) کے امور میں تمہارا مددگار ثابت ہو"۔

اسی طرح دوسری جانب شوہر کے انتخاب کے لیے شریعت نے اسی قسم کی تعلیم لڑکی کے ولی کو بھی ارشاد فرمائی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض، وفساد عريض
سنن ابن ماجه: باب الأكفاء كتاب النكاح حديث: 1967

ترجمہ "تمہارے پاس ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے دین اخلاق سے تم مطمئن ہو تو شادی کروادیا کرو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو یہ امر زمین میں باعث فتنہ فساد بنے گا"۔

لہٰذا رشتہ کے معاملے میں دونوں جانب سے مکمل چھان بین اور تحقیق ہونی چاہیے اور جب اطمینان ہو جائے تو اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک اچھے گھر کی بنیاد رکھی جائے۔

(3) اصلاح کی کوشش کرنا:

ایک دوسرے کو نصیحت کرنا، سمجھانا شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے، اور اس بنیاد کی کامیابی اخلاق حسنہ اور دین میں مضمر ہے۔ اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے گھریلو معاملات میں ایک دوسرے کو اچھے انداز سے سمجھانا، اصلاح کرنا، گھر میں خوشگوار ماحول کو قائم رکھتا ہے۔ اور یہ ذمہ داری گھر کے ہر فرد پر اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

'كُلُّكُم راعٍ وكُلُّكُم مَسؤولٌ عَن رَعِيَّتِهِ' [8] صحيح البخاری: باب قوا انفسکم واهليکم نارا۔ کتاب النکاح، حديث: 5188

ترجمہ: "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی نگہبانی سے متعلق (قیامت کے دن) سوال ہوگا"۔

(4) دینی تربیت کا اہتمام کرنا:

گھریلو ماحول کی سعادت کا راز دینی تربیت میں پوشیدہ ہے، جتنا گھر میں دین کا اہتمام ہوگا اتنا ہی وہ گھر خوشحال ہوگا۔ جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بیان کرتے ہوئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں

كان رسول اللهﷺ يصلی من الليل فاذا أوتر قال قومی فأوتری يا عائشه

صحيح المسلم: باب صلاة الليل۔۔۔ كتاب صلاة المسافر۔۔۔۔۔ حديث: 744

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھتے پھر جب وتر پڑھ لیتے تو فرماتے اے عائشہ اٹھو اور وتر پڑھو"۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے رحمت فرمائی ہے، جو آدمی رات میں اٹھ کر نماز ادا کرتا ہے اور پھر اپنی بیوی کو بھی نماز کے لیے اٹھاتا ہے

سنن ابی داؤد: باب قیام اللیل کتاب الصلاۃ حدیث: 1308

(5) گھر میں ذکر کا اہتمام کرنا:

یہ بات مسلّم ہے کہ برکت و رحمت اللہ کی طرف سے آتی ہے اور ذریعہ برکت ذکر الٰہی ہے، گھر میں مختلف انداز کے ذکر مختلف طریقوں سے احادیث میں ملتے ہیں

ا) گھر میں داخل ہونے کی دعا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جب بندہ اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اب یہاں رات گزارنے کی جگہ ہے نہ ہی رات کا کھانا"۔

صحیح المسلم: کتاب الأشربۃ باب استحباب تخمیر الإناء، حدیث 2018

(ب) گھر سے نکلتے وقت دعا کرنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جب بندہ اپنے گھر سے نکلتے ہوئے یہ الفاظ ادا کرتا ہے۔ "بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ" تو ایسے شخص کے لیے کہا جاتا ہے کہ تیرے لیے کافی ہے یقیناً تیری رہنمائی کر دی گئی، کفایت کر دی گئی اور تجھے بچا لیا گیا پھر اس شخص سے شیطان جدا ہوتا ہے اور اس سے دوسرا شیطان کہتا ہے اب کیسے تو اس شخص کا مقابلہ کرے گا جس کی رہنمائی کفایت اور بچاؤ کیا جا چکا ہے۔

سنن ابی داؤد: كتاب الأدب، باب مايقول اذا خرج من بيته، حديث: 5095

(ج)سورۃ بقرہ کی تلاوت کرنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

صحیح المسلم: باب الاستحباب صلاۃ النافلۃ کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث:780

ایک روایت میں فرمان مبارک یوں بھی وارد ہوا ہے کہ اپنے گھروں میں سورہ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

مستدرک حاکم، 4/25، حدیث:2062

شیطان کے نزدیک سب سے بہترین کام شوہر اور بیوی میں اختلافات پیدا کرنا ہے جس سے ایک گھر تباہ ہو جاتا ہے جبکہ گھروں میں اس قسم کے ذکرو اذکار اور تلاوت قرآن کا اہتمام شیطان اور شیطانی مکرو فریب سے محفوظ رکھتا ہے۔

(6)اولاد کی تربیت:

اس بارے میں اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہمیشہ ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔

[یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا](التحریم:6)

ترجمہ:"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ"۔

لہذا گھر کے سربراہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ گھر کے تمام افراد خصوصاََ اولاد کی تربیت پر توجہ دے، کیونکہ گھر کا سکھ چین بچوں کی سعادت سے ہے اور بچوں کی سعادت دین میں مضمر ہے۔

(7)باہمی اختلافات تنازعات اور گھریلو جھگڑوں کے معاملات پر تبادلہ خیال بچوں کے سامنے نہ کریں۔

عموماً یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ میاں بیوی اپنے جھگڑے، شب وروز کی نوک جھونک سب کچھ بچوں کے سامنے ہو رہا ہوتا ہے۔ اس سے بچے نفسیاتی طور پر

بہت متاثر ہوتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو بات اس حد تک آگے نکل جاتی ہے کہ باپ بچوں سے کہتا ہے اپنی ماں سے بات نہیں کرنا، یا پھر ماں کہتے ہے باپ سے بات نہ کرنا۔ یا پھر اگر کسی رشتہ دار سے اختلاف ہو جیسے عموماً چچا، خالو کے خاندانی اختلاف رہتے ہیں ان اختلافات کو بھی میاں بیوی گھر میں بچوں کے سامنے ڈسکس کرتے ہیں۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی دشمنیاں پلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اور بچے سمجھتے ہیں کہ ہمارا فلاں چچا اچھا ہے اور فلاں بہت برا۔ اور جب یہ اولاد بڑی ہوتی ہے تو دو خاندانوں میں بوئے گئے نفرت کے بیج اتنے پختہ ہو چکے ہوتے ہیں کہ قتل و غارت، قطع کلامی، سب و شتم تک بات پہنچ جاتی ہے لہذا تمام گھر والوں چاہے ماں باپ ہو، نانا، نانی ہوں۔ یا دادا دادی سب اس بات کا از حد خیال رکھیں کہ خاندانی تنازعات کا ذکر بچوں کی موجودگی میں نہ چھیڑیں۔ بچوں کو ہمیشہ یہ احساس دلائیں کہ سب رشتہ دار آپ سے بے پناہ محبت کرتے اور چاہتے ہیں۔ سب رشتہ دار اکرام و تکریم میں برابر ہیں۔

(8) گھر میں ایسے آلات نہ لائیں یا ایسے افراد کو جگہ نہ دیں جو بری عادات واخلاق کے حامل ہوں۔

آج کل الیکٹرونک آلات بالخصوص ٹیلیوزن موبائلز کا دور دورہ ہے۔ بچے ہوش سنبھالتے ہی انہیں ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں۔ بات کارٹوں سے شروع ہوتی ہے اور پھر حیا باختہ پروگرامز کے مشاہدے سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ لہذا والدین بہت زیادہ محتاط رہیں کہ فلم، ڈرامے یا پھر موبائلز مستقل بچوں کے ہاتھ میں دینے کے نتائج بہت بھیانک ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح خادم خادمائیں بھی ایسی نہ رکھیں جو بری عادات واطوار کی حامل ہوں۔

(9) اپنے بچوں کو ٹائم دیں۔

آپ کتنے بھی مصروف ہوں۔ آپ کی اولاد آپ کی ہے اور آپ نے ہی ان کی تربیت کرنی ہے اور اس کے ثمرات سمیٹنے ہیں۔ لہذا اپنے بچوں کو ٹائم دیں انھیں سیر و تفریح کیلئے لے کر جائیں، انھیں اچھی اچھی باتیں سکھائیں، قرآن مجید، دعائیں سکھانے کا اہتمام کریں۔ سونے سے پہلے اپنی نگرانی میں بچوں سے سوتے وقت کی دعائیں پڑھوائیں، انھیں اچھے اچھے اسلامی واقعات سنا کر ایمان اور اہل ایمان سے محبت ان کے دلوں میں پیدا کریں۔

(10) دعا:

اپنی کوشش و عمل کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سعادت و کامیابی توفیق الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کے ذریعے گھروں میں سکون طلب کرنا عبادالرحمٰن کا شیوہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

)الفرقان:74(

ترجمہ: ”اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا“۔

مؤلف کی دیگر کتب کے لئے
Peaceofmindna.com
وزٹ کریں۔